کرن
مفت
جنوری 2000

نبیلہ ابر راجہ

سیپی سنواری

digest novels lovers group ❤️❤️

اتزل اس گھر کی پہلی اولاد تھا۔ وہ سولہ سال کا تھا جب سب سے چھوٹے چچا کے گھر بارہ طویل سالوں کے بعد پہلی اور آخری اولاد نے جنم لیا۔ مبشر اور طیبہ کی خوشیوں کا ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ بڑے بھائی یعنی اتزل کے والد نے بچے کے کان میں اذان دی۔ دادی' دادا' تایا' چچا' پھوپھو سب بے پناہ خوش تھے۔

لقمان شاہ کو چھوٹے بیٹے سے ازحد محبت تھی۔ مبشر کئی سال سے اولاد کے لیے ترس رہا تھا۔ اب سوکھے دھانوں پر پانی پڑا تھا۔

اتزل کالج سے لوٹا تو ماحول بڑا غیر معمولی سا لگ رہا تھا۔ دیگوں کے پکوان کی مخصوص خوشبو اس کی ناک سے ٹکرائی۔ لان میں پھٹے پرانے کپڑوں اور مفلوک الحال چہروں والے کئی لوگ جمع تھے۔ سائیڈ پر چھ سات بکرے ذبح ہوئے پڑے تھے۔ چھوٹے چچا ان لوگوں میں پیسے بانٹ رہے تھے۔ دادی جان بار بار سرمستی کے عالم میں اندر باہر آجا رہی تھیں۔ اس کا حیران ہونا فطری امر تھا۔ فائل پھینک کر وہ چچا اور دادی کے پاس چلا آیا اور اس رونق کا سبب پوچھا۔ جاننے پر اسے بھی بے حد خوشی ہوئی۔ وہ فوراً چچی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اندر سب عورتیں جمع تھیں۔ وہ دروازے پر رک سا گیا۔ ماں کی نظر پڑی تو انہوں نے اسے بلا لیا۔ نپے تلے قدم رکھتا وہ اندر آگیا۔

چچی لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کے زرد زرد چہرے پر الوہی سی چمک تھی۔ ساتھ بے بی کارٹ میں وہ ننھی منی سی گڑیا آنکھیں بند کیے سوئی ہوئی تھی۔ اتزل نے بے بی کارٹ کے اوپر سے جھک کر اس کے گلابی گلابی رخسار چھوئے تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ کی مدھم سی لکیر ابھری۔

"مما دیکھیں یہ ہنس رہی ہے۔" اتزل نے بچوں کی سی خوشی سے عظمیٰ کو بتایا تو کمرے میں موجود سب عورتیں ہنس پڑیں۔

مبشر آج غریبوں کے لیے گھر میں کھانا پکوا رہے تھے۔ کل رات سب خاندان والوں کی دعوت تھی۔ ساتویں دن بڑے دھوم دھام سے بچی کا عقیقہ کیا گیا اور نام رکھنے کا مرحلہ آیا۔ اتزل نے کہا کہ "اس کا نام امید رکھیں گے۔" سب ہی کو یہ نام پسند آیا کیونکہ یہ بچی واقعی ماں باپ کے لیے امید ہی تو تھی۔

کالج سے آکر اتزل کا زیادہ تر وقت امید کی نذر ہوتا تھا۔ جب اس کی بانہوں کے سہارے امید نے پہلا قدم اٹھایا تو اس نے اپنی مہینے بھر کی پاکٹ منی چپکے سے خیرات کر دی۔ توتلی زبان میں امید نے سب سے پہلے اتزل ہی کو پکارا۔

امید کی قسمت میں ماں باپ کی محبت نہیں تھی۔ ڈھائی سال بعد ہی طیبہ اور مبشر شاپنگ پر جاتے ہوئے روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر مارے گئے۔ یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ معصوم بچی کو کچھ ہوش نہیں تھا اس نے کچھ روز تو ماں باپ کو ڈھونڈا پھر ناکام ہو کر تائی کے دامن میں دبک گئی۔ عظمیٰ بیگم نے از خود اسے اپنی ذمہ داری بنا لیا۔

اتزل اکیڈمی سے آتے ہی اسے گھمانے لے جاتا۔ وہ بہت ذہین بچی تھی۔ ساڑھے تین سال کا ہوتے ہی فواد یعنی تایا نے اسے اسکول داخل کرا دیا۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی جا رہی تھی' اتزل کے ساتھ اس کی محبت میں شدت آتی جا رہی تھی۔ وہ اسے ایک منٹ کے لیے بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ اسے

سکون سے پڑھائی بھی نہیں کرنے دیتی تھی۔ ایسے میں ازل اسے بڑی مشکل سے بہلاتا۔ گھر میں شام کو حافظ صاحب امید کو دینی تعلیم دینے آتے۔

آہستہ آہستہ وقت گزر رہا تھا۔

بڑی پھوپھو کی بیٹی نیرا کی شادی تھی۔ سجی سنوری اسٹیج پر ضیاء کے پہلو میں بیٹھی وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ امید بڑے اشتیاق سے چھو چھو کر نیرا آپی کو دیکھ رہی تھی۔ کسی نے کہا کہ دولہن کے ساتھ امید کی بھی ایک تصویر بنواؤ، بس پھر کیا تھا امید مچل گئی کہ مجھے بھی دولہن بننا ہے۔ سب اس کی معصوم سی فرمائش پر ہنس دیے۔ شادی سے واپس آکر اس نے یہی رٹ لگائے رکھی کہ مجھے دولہن بننا ہے۔ ایک ہفتے بعد اس کی رسم بسم اللہ تھی۔ اس نے تقریباً" سات برس کی عمر میں قرآن شریف پڑھ لیا تھا۔ بڑے پیمانے پر اس تقریب

کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

بڑی چچی نے اسے ریڈ کلر کی پشواز' چوڑی دار پائجامہ پہنایا' ہاتھوں میں بھر بھر چوڑیاں پہنائیں' چھن چھن پازیب چھنکاتی امید نے خود کو آئینے میں دیکھا تو جھٹ دولہن بنی نیرا آپی اس کے تصور میں آگئیں۔ اس نے وہیں زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"مجھے دولہن بننا ہے نیرا آپی کی طرح۔"

سب اسے بڑی مشکل سے چمکار کر لائے۔ وہ کسی طرح چپ ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔ اقرا نے مذاق کیا۔

"کس کی دولہن بنو گی۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی پھر جھٹ بولی۔

"ارتزل بھائی کی۔"

وہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔

"پر بھائی تو دولہا نہیں بنتے ناں۔" اقرا نے دلیل دی۔

"اچھا میں صرف ارتزل کی دولہن بنوں گی۔" اس نے فوراً" بھائی کا لفظ حذف کر دیا۔ ساری محفل زعفران زار بن گئی پھر اس کی ضد پوری کرنے کے لیے ارتزل کو دولہا بننا پڑا اور اصلی گلابوں کا ہار پہن کر اسٹیج پر امید کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں بھی بنوانا پڑیں۔ سارے کزنز ارتزل کو چھیڑ رہے تھے۔ کیا برابر کی دولہن ڈھونڈی ہے۔ حقیقتاً" وہ سب امید کی معصوم شرارتوں اور حرکتوں کو بڑا انجوائے کرتے تھے۔

تصویریں دھل کر آئیں تو امید بڑے فخر سے اپنی ٹیچرز کو دکھانے لے گئی کہ یہ میرا دولہا ہے۔ ینگ سے لڑکے کو اس کے دولہا کے روپ میں دیکھ کر وہ حیران تھیں۔

پیاری سی امید سب ٹیچر کی منظور نظر تھی۔ انہیں افسوس سا ہوا کہ اتنی چھوٹی بچی کا اتنی بڑی عمر کے لڑکے سے ناتا جڑا ہے۔ یوں ہی اس کی ایک ٹیچر پوچھنے کے لیے گھر چلی آئیں تو حقیقت جان کر اسے بے حد شرمندگی ہوئی۔ ارتزل بری طرح ہنس جو رہا تھا بلکہ وہ سب ہی ہنس رہے تھے۔ ہاں امید سب کو دیکھے جارہی تھی۔ اس رات وہ اپنا بھالو اٹھائے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"اب میں آپ کے پاس رہوں گی کیونکہ نیرا آپی بھی اپنے دولہا کے پاس رہتی ہیں۔"

وہ داد طلب نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ارتزل نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبالی۔ جب کہانی سنتے سنتے وہ اس کے سینے پر سر رکھے سو گئی تو وہ اسے اس کے بیڈ روم میں چھوڑ آیا۔

پہلے وہ پریوں اور شہزادوں والی کہانیاں سنتی تھی' اب وہ مار دھاڑ والی کہانیوں کی فرمائش کرتی۔ آٹھویں سالگرہ پر ارتزل نے اسے باربی ڈول لا کر دی تو وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"مجھے گن چاہیے' ڈھشوں ڈھشوں والی۔"

اس نے منہ سے آواز نکالی تو وہ ان ہی قدموں لوٹ گیا اور اس کا کہا پورا کر دیا۔

--*

ارتزل اپنے دوست اخلاق کے ساتھ موٹر بائیک پر فرہاد کے گھر گیا ہوا تھا۔ واپسی پہ تیز بارش شروع ہو گئی سردیوں کا موسم تھا گھر پہنچتے تک وہ کھانسی اور چھینکوں کی زد میں تھا۔ عظمیٰ نے فوراً" ڈاکٹر کو فون کر دیا اور امید تو اس کے سرہانے ہی بیٹھ گئی۔ کبھی ننھے منے ہاتھوں سے اس کا سر دباتی' کبھی ماتھے پر ہاتھ رکھتی اور بڑی معصومیت و آس سے پوچھتی۔

"ارتزل آپ کب ٹھیک ہوں گے۔" جب سے اقرا نے اسے کہا تھا کہ دولہا کو بھائی نہیں کہتے تب سے اس کی زبان پر ارتزل چڑھا ہوا تھا۔ رات اس نے تائی کے ہاتھ سے سوپ لے کر ضد کی کہ میں پلاؤں گی۔ اناڑی پن کی وجہ سے پیالہ اس کے ہاتھوں سے چھلک گیا تھا اور ارتزل کا سینہ و گردن جھلس گیا۔

وہ اب بھی اس سے رات کو کہانی سنے بغیر نہیں سوتی تھی۔ اسے سنانے کے لیے ارتزل کو بچوں کا ادب بھی پڑھنا پڑتا' اسے بچوں کے جاسوسی ناول بہت پسند تھے۔ ارتزل رات کو پڑھ پڑھ کر سناتا اور وہ اس کے سینے میں سر گھسائے ہمہ تن گوش ہوتی۔ اب وہ اکثر اس کا کام بھی کرنے کی کوشش کرتی۔ وارڈ روب سے اس کے کپڑے اسٹول رکھ کر اتار لاتی' اس کے چپل پاؤں

کے پاس رکھتی، پانی لا دیتی، سر دبا دیتی اور تو اور اس کے بالوں میں ڈریسنگ ٹیبل کے اوپر چڑھ کر کنگھی بھی کرنے کی کوشش کرتی۔

اس کی دسویں سالگرہ سے پہلے ہی اترل سی ایس ایس کا ایگزام کلیئر کرنے کے بعد ٹریننگ کے لیے شہر سے باہر چلا گیا تو پہلے دن ہی وہ گھبرا گئی۔ رات کو اسے خوف کے مارے نیند ہی نہیں آئی۔ تائی نے حتی الامکان کوششیں کی کہ وہ بہل جائے۔ اترل سے چھوٹے تیمور نے کئی لالچ دیے، پر وہ کسی کے قابو میں ہی نہیں آئی۔ ہاں اترل ہر دوسرے روز وقت نکال کر فون ضرور کرتا اور اسے کہتا کہ کسی کو تنگ نہ کرنا، رونا نہیں، خوب دل لگا کر پڑھنا ورنہ میں واپس نہیں آؤں گا۔ اس کی نہ آنے والی بات سن کر وہ اس کی ساری ہدایات پر عمل کرتی پھر ٹریننگ کے بعد وہ صرف ایک ہفتے کے لیے آیا تھا۔ اس کی پوسٹنگ بحیثیت اسسٹنٹ کمشنر شیخوپورہ ہو گئی تھی۔

سب ہی اداس تھے۔ تائی اور تایا بھی اداسی چھپا کر مسکرا رہے تھے۔ امید کو پتا ہی نہیں تھا کہ وہ جا رہا ہے۔ ہاں اس کی وجہ سے اترل اداس تھا۔ امید کے محبت بھرے معصوم وجود کا وہ اتنا عادی ہو چکا تھا کہ دوری کا تصور ہی سوہان روح تھا۔ وہ اس کی واپسی سے ہواؤں میں اڑی پھر رہی تھی۔ رات گئے تک کہانی سننے کے بعد بھی اس کی جان نہ چھوڑتی۔

اترل کی روانگی میں ایک روز باقی تھا تو وہ اسے بازار لے گیا۔ دل بھر کر شاپنگ کرائی، اس کی پسندیدہ اسٹوری بکس لے کر دی، نت نئے ڈیزائن کے فراکس اور شوز خریدے، ڈھیروں چاکلیٹس لیں۔ رات ہمیشہ کی طرح کہانی سنانے کے بعد اترل نے مناسب الفاظ میں اسے اپنی روانگی کا بتایا۔ وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔

"مجھے کہانیاں کون سنائے گا، پارک کون لے کر جائے گا، پڑھائے گا کون، کھیلے گا کون میرے ساتھ....." اس طرح کے ڈھیروں سوال اس کی زبان پر تھے۔

"تیمور ہے اقرا، راحت، عدی، اور مون ہے۔ امبرین، طیب ہے۔ سب تمہارے ساتھ کھیلیں گے، کہانیاں سنائیں گے، پارک بھی لے جائیں اور تمہیں پتا ہے سب جلتے ہیں مجھ سے کہ میں نے تمہیں ہتھیا لیا ہے۔ گرینڈپا کو بھی یہی شکوہ ہے۔" اترل نے اس کی چھوٹی سی پونی کو چھیڑا۔ ملازم نے اس کا تمام سامان گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ امید کو پتا چل گیا کہ وہ جانے والا ہے حالانکہ تیمور نے کتنا کہا تھا۔ "آؤ تمہیں گھما لاؤں" پر وہ نہیں گئی۔ اب جب وہ سب سے مل کر اس کے پاس آیا اور ہمیشہ کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کی پیشانی چومی تو وہ زور زور سے رونے لگی۔

"میں بھی ساتھ جاؤں گی، میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" وہ اس کے کوٹ کو مضبوطی سے تھامے پاؤں زمین پر مار رہی تھی۔

"دیکھو جانو تم جب بھی بلاؤ گی، میں آجاؤں گا یوں۔" اترل نے چٹکی بجائی۔

"جادوگر شہزادے کی طرح۔" امید کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ہاں۔"

"پھر مجھے اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ دیں ناں میں جب اداس ہو جاؤں گی تو آپ کو بلایا کروں گی۔" اس کی قدرے تسلی ہو گئی اترل نے جاتے جاتے اپنے بالوں کی ایک لٹ اسے کاٹ کر تھما دی جب تک اس کی گاڑی نظر آتی رہی وہ ہاتھ ہلاتی رہی۔

بڑوں نے فیصلہ کیا کہ امید کی شدت پسندی ختم کرنے کے لیے اسے بورڈنگ میں داخل کروا دیتے ہیں اترل کو بھی روز روز فون کرنے سے منع کر دیا اسے دل پہ پتھر رکھنا پڑا یوں بھی نئی نئی نوکری کے بکھیڑے تھے وہ از حد مصروف ہوتا تھا۔ امید بورڈنگ سدھار گئی بہت سے جھوٹ اور لالچ کے بعد وہ بورڈنگ جانے پر راضی ہوئی۔ جس میں اترل سے ملنے کا لالچ سر فہرست تھا۔

ایک دو تین پورے چار سال گزر گئے امید اب سینئر کیمبرج میں آ گئی تھی گزرتے چار سالوں کے دوران اس نے جادوگر شہزادے کا عمل کر کے کتنی بار اترل کو بلانا چاہا تھا پر وہ نہیں آیا تھا آہستہ آہستہ اسے

احساس ہو گیا تھا کہ وہ محض بہلاوا تھا تسلی تھی چھٹیوں میں وہ جب بھی گھر جاتی تو اثرل سے اس کی ملاقات نہیں ہو پاتی تھی پورے چار سال گزر گئے اسے اثرل کو دیکھے ملے اور باتیں کیے ہوئے وہ بے پناہ باشعور ہو گئی تھی بچپن کی حماقتیں اس کے رخساروں کو گلابی کر دیتی تھیں معصوم محبت کی جڑیں خودرو گھاس کی طرح اس کے وجود میں پھیل گئی تھیں جب بھی اس کا جی گھبراتا وہ کتاب سے جھٹ اس کی اور اپنی تصویر نکال لیتی جو رسم بسم اللہ کے موقعے پر لی گئی تھی امید نے اتنی بار وہ تصویر دیکھی تھی کہ اسے اثرل کے چہرے کا ایک ایک نقش ازبر ہو چکا تھا اس کے بالوں کی لٹ جوں کی توں اس کے پاس پڑی ہوئی تھی۔

سینئر کیمبرج کے ایگزام آخر ختم ہو گئے تو مری سے اس کا دانہ پانی بھی ختم ہو گیا عدی اسے لینے آیا تو بات بات پہ اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چھلکی پڑ رہی تھی گھر پہنچ کر یہ راز کھل گیا گرینڈ پا سے لے کر مون تک سب اس کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ وہ بے تابی سے گرینڈ پا سے چمٹ گئی تائی کو بڑے لاڈ سے پیار کیا تایا پھوپھو سب سے محبت سے ملی سامان رکھ کر وہ نہانے چلی گئی افزا رومیزہ راحت صباحت سب اس کے کمرے میں جمع تھیں وہ نہا کر نکلی تو اقراء نے ایک دم اس کی آنکھوں رہاتھ رکھ دیئے۔

"ذرا یہ بیک سائیڈ دیکھ کر بتاؤ کہ یہ کون ہیں۔" اس نے ہاتھ ہٹاتے ہی پوچھا سامنے کرسی پر رخ موڑے کوئی بیٹھا ہوا تھا چوڑے کندھے ورزشی کمر بالوں کا مخصوص اسٹائل وہ لاکھوں میں بھی باآسانی شناخت کر سکتی تھی۔

"اثرل" اس کی خوشی سے بھرپور آواز نکلی۔

"جی آپ کے بچپن کے دولہا" راحت نے ٹکڑا لگایا اثرل گھوم گیا امید نے بے تابی سے اپنا بازو اقرا کی گرفت سے چھڑایا مگر پھر اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے وہ کوئی معصوم سی بچی تو نہیں رہی تھی کہ اس کے گلے میں جھول جاتی۔

"ارے واہ امید اتنی بڑی ہو گئی ہے۔" وہ اس کے قریب آکر گویا ہوا اور اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھا امید نے نگاہیں اٹھائی وہ پہلے سے بھی بڑھ کر مضبوط و صحت مند لگ رہا تھا وہ اس کا حال چال پوچھ رہا تھا وہ بس ہوں ہاں کیے جا رہی تھی ہمیشہ کی طرح پٹر پٹر کرنے والی زبان گویا آج اس کے سامنے تھک گئی تھی۔

رات کو جب سب اٹھ گئے تو وہ اس کے کمرے میں چلا آیا۔

"پتہ ہے میں اب ادھر ہی پوسٹڈ ہوں چار روز ہو گئے ہیں مجھے آئے ہوئے عدی نے کہا تھا کہ میں امید کو سرپرائز دوں گا میں سوچ رہا تھا تم بہت سخت ناراض ہو گی میرے تصور میں تو وہی دس گیارہ سال کی امید بنی ہوئی تھی جو پاؤں پٹخ پٹخ کر روتی تھی اسی حساب سے میں تمہارے لیے گفٹس لایا ہوں یہ دیکھو۔" اثرل نے ہاتھ میں تھاما بیگ آگے کیا۔ چھ عدد قیمتی فراکس تھیں جدید ساخت کی نقلی گن کہانیوں کی کتابیں سوئیٹس چاکلیٹس اور نہ جانے کیا کیا الا بلا وہ دونوں ہی ہنس دیے۔

"میں اب فراک نہیں پہنتی اس گن سے بھی دلچسپی نہیں ہے اور ہاں اب میں بچکانہ ادب نہیں پڑھتی۔" امید نے تمام چیزیں واپس شاپر میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"صبح میرے ساتھ لبرٹی چلنا اپنی پسند کی چیزیں خرید لینا۔"

"آپ کی برتھ ڈے پر میں جو ہر سال گفٹس بھیجتی رہی ہوں آپ کو مل جاتے تھے ناں۔"

"ہاں وہ بچوں کی سیریز عمران سیریز اور چاکلیٹس مجھے ملتی رہی ہیں بلکہ کچھ تو میرے پاس ابھی بھی پڑی ہوئی ہیں۔" وہ ہنسا۔

رات کتنی دیر تک وہ اس سے باتیں کرتا رہا ڈھائی بج رہے تھے اثرل ہی کو دھیان آیا تو وہ اٹھا۔

"شب بخیر۔" واپس آتے آتے وہ چونک کر باہر نکل گیا امید نے دروازہ لاک کیا آج سے پہلے ہمیشہ اثرل ہی اسے اٹھا کر اس کے بیڈ روم میں چھوڑ کر جاتا تھا اس کے جوتے اتارتا تکیہ درست کرتا اور ماتھے پر پیار کر کے لائیٹ آف کر دیتا بارش اور آندھی سے وہ خاصی خوفزدہ رہتی تھی ایسے موسم میں اسی کے ساتھ

سوتی وہ ہر ممکن طریقے سے اس کا ڈر دور کرنے کی کوشش کرتا امید کے سارے خوف اس کے سینے سے لگتے ہی غائب ہو جاتے تھے۔

باشعور ہوتے ہی امید کے جذبوں نے رنگ بدل لیا تھا چاہت کی دھیمی دھیمی چنگاری اسے خاک کر رہی تھی آج اسے دیکھتے ہی احساسات نے اور بھی زور پکڑ لیا تھا۔

عظمیٰ اب ازل پر شادی کے لیے زور دے رہی تھیں خیر سے وہ لائق دھو نہار ڈی سی تھا شکل و صورت اور خاندان میں بھی اپنی مثال آپ تھا اس کی۔ "ابھی نہیں ابھی نہیں" کی وجہ سے انہوں نے تیمور اور صباحت کی بھی شادی دو سال ہوئے کر دی تھی افزا اور راحت بھی شادی شدہ تھیں اکتیس سال کا ہونے کے باوجود وہ چھڑا چھانٹ تھا ان کے دباؤ سے گھبرا کر اس نے اقرار کر لیا کہ وہ لڑکی پسند کر چکا ہے۔

روشان اس کے کولیگ کی بہن تھی دو سال پہلے ہاسپٹل میں ازل کی اس سے ملاقات ہوئی معمولی سا ایکسیڈنٹ تھا وہ نئی نئی ہاؤس جاب کے لیے آئی تھی ازل کے دل کو پہلی نگاہ ہی میں اس نے شکار کر لیا تھا پھر ان کی ڈھیروں ملاقاتیں ہوئیں بات شادی کے وعدے پر تمام ہوئی اس نے کہا کہ گھر جانے کے تقریباً" ایک سال بعد وہ رشتہ لے کر آئے اس میں جانے روشان کی کیا مصلحت تھی اس نے اس کا کہا مان لیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کارڈز کھیلتے ہوئے امید مسلسل بے ایمانی کر رہی تھی اس کے باوجود بھی ہار رہی تھی اس لیے تنگ آکر کھیل ختم کرنے کا اعلان کیا ازل نے اٹھتی امید کا بازو جھٹکے سے پکڑ کر کھینچا وہ اس کے اوپر گرتے گرتے بچی۔

"بری بات ہے اچھے بچے بے ایمانی نہیں کرتے۔" ازل نے ہنوز اس کا بازو تھاما ہوا تھا ازل کی مضبوط مردانہ گرفت میں اس کی کلائی کمزور ہو گئی۔

"اچھا اب نہیں کروں گی۔" اس کی نگاہیں جھک گئی تھیں اس کی گرفت سے امید کو اپنے اندر کرنٹ سا دوڑتا محسوس ہوا پھر کھیل میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی ایک مضبوط ہاتھ کا لمس توجہ تقسیم کر رہا تھا۔

اس روز وہ آفس سے لوٹا تو معلوم ہوا کہ امید کو ٹمپریچر ہے اور وہ دوا کھانے سے مسلسل انکار کر رہی ہے سب نے اس کی منتیں کر کے دیکھ لی تھیں اس نے تمام سیرپ کیپسول اور گولیاں ہاتھ مار کر ٹیبل سے گرا دی تھیں بس روئے جا رہی تھی۔ ازل کو دیکھ کر عظمیٰ نے سکون کا سانس لیا۔

"تم اسے جا کر دوا تو کھلا دو تمہاری ہر بات مانتی ہے اتنا تیز بخار ہے تمام جسم تنور کی طرح تپ رہا ہے گلا بھی خراب ہے کل جو ڈھیروں آئسکریم کھائی ہے ناں اسی کا نتیجہ ہے جلدی سے کپڑے تبدیل کر و اور اسے دیکھو انجکشن بھی نہیں لگوا رہی ہے۔"

وہ جلدی جلدی بول رہی تھیں اس نے فوراً" کپڑے تبدیل کر کے اس کے کمرے کا رخ کیا تھک ہار کر سب جا چکے تھے وہ اکیلی آنکھوں پر بازو رکھے سسک رہی تھی۔

"امید جانو کیوں تنگ کر رہی ہو تمہیں تکلیف میں دیکھ کر مجھے جو دکھ ہوتا ہے اس کا احساس ہے کچھ۔" ازل نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے زبردستی آنکھوں سے اس کا بازو ہٹایا واقعی وہ تنور کی طرح تپ رہی تھی۔

"اٹھو شاباش دوا پی لو۔" وہ ٹیبل سے دوائیں اٹھا کر دیکھنے لگا وہ یونہی پڑی رہی۔

"اٹھو بابا۔" ازل نے اسے شانوں سے تھام کر اٹھا دیا۔

"نہیں پیوں گی۔" وہ ضدی ہو گئی۔

"کیوں نہیں پیو گی میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں پیتی ہو بچپن میں بھی تم یہی کرتی تھیں میں آج بھی لحاظ نہیں کروں گا۔" پھر سچ مچ اس نے دوا پیالی میں ڈالی دونوں کلائیاں مضبوطی سے ایک ہاتھ میں تھام کر زبردستی پیالی اس کے منہ سے لگائی اس کے اندر حشر برپا ہو گیا اس نے جلدی جلدی ساری دوا پی لی۔

"اب آپ جائیں۔" اس کے معصوم سے ضبط کے پرخچے اڑ گئے۔

"کیوں جاؤں میں ساری رات ادھر ہی بیٹھا رہا ہوں گا ابھی دو خوراکیں رہتی ہیں چار چار گھنٹے بعد لینی ہیں دے کر ہی جاؤں گا بے شک صبح مجھے چھٹی کرنی پڑی مجھے ہنستی مسکراتی فریش فریش سی امید چاہیے دیکھو تو کتنی گرم ہو رہی ہو ابھی تک وہی بچپنا ہے خیر تمہارا ابھی قصور نہیں ہے عمر بھی کیا ہے تمہاری پھر رہی سہی کسر میں نے تمہارے لاڈ اٹھا اٹھا کر پوری کر دی ہے۔" وہ دھیرے دھیرے اس کے ہاتھ سہلا رہا تھا امید کو سب خواب لگ رہا تھا ارتزل اور اس کے اتنے قریب اسے نہ جانے کیا احساس ہوا کہ پھر رونا شروع ہو گئی۔

"میں بھی مما پپا کی طرح جلدی مر جاؤں گی ناں۔"

"ڈونٹ بی سلی میں تمہیں مرنے دوں گا بھلا۔"

ارتزل نے اسے خود سے قریب کر لیا تھا آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو گئی ارتزل کا ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل تھا اور دوسرا اس کا سر سہلا رہا تھا وہ فوراً" اس کے حصار سے نکلی۔

"آئی سویئر میں دوا کھا لوں گی آپ جائیں۔" وہ سرک کر کنارے پر ہو گئی۔

"بے ایمانی نہیں چلے گی میں رات کو آ کر چیک کروں گا۔" ارتزل نے وارننگ دی۔

"اگر تم یونہی میری تیمار داری کرتے رہے ناں تو مجھے قیامت تک ٹھیک نہیں ہونا۔" وہ دل میں بولی۔

اس کے جانے کے بعد وہ عجیب سے احساسات میں گھر گئی اس کی قربت اچھی بھی لگ رہی تھی اور ناگوار بھی چند منٹ بیشتر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یونہی ضدی بچی بنی رہے اور وہ زبردستی اسے دوا پلاتا رہے کتنی جلدی وہ اس کے آگے ہار گئی تھی۔ اپنے وعدے کے مطابق وہ پورے بارہ بجے پھر آیا تھا اب کی بار امید نے خود دوا لی تھی۔

"ڈر تو نہیں لگے گا ناں اگر ایسی بات ہے تو میں ادھر ہی بیٹھ جاتا ہوں تم آرام سے سوؤ۔"

"نہیں، نہیں میں کہیں ڈرتی اب آپ جائیں مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ کمبل تان کر لیٹ گئی۔

*_*_*

کالج میں ایڈمیشن لیتے وقت امید نے ارتزل کے مشورے پر مضامین منتخب کیے تھے اسے کالج پک اینڈ ڈراپ کرنا عدی کی ذمہ داری تھی صبح یونیورسٹی جاتے ہوئے وہ اسے بخوشی چھوڑ جاتا تھا ہاں واپسی پہ گیٹ کے آگے اسے بڑے صبر و سکون سے امید کا انتظار کرنا پڑتا تھا وہ سہیلیوں سے اچھی طرح مل ملا کر آتی تھی عدی کا پارہ ہائی ہو جاتا تھا دو ماہ میں ہی وہ تنگ آ گیا اب وہ یہ کرتا کہ صبح ناشتے کے فوراً" بعد بھاگ نکلتا وہ منہ دیکھتی رہ جاتی تنگ آ کر ارتزل سے شکایت کی۔

"میں تمہیں کالج چھوڑ دیا کروں گا اور لنچ بریک پہ لے آیا کروں گا۔"

صبح اسے جلدی اٹھنا پڑتا تھا امید آٹھ بجے کالج جاتی تھی جبکہ وہ خود نو ساڑھے نو بجے آفس کے لیے نکلتا تھا۔ آج وہ اذانوں کے آدھے گھنٹے بعد بیدار ہوئی جلدی جلدی نماز پڑھی اور گیٹ کی طرف آئی ہاکر تازہ اخبار پھینک گیا تھا وہ برآمدے ہی میں بیٹھ کر سرخیاں دیکھنے لگی سامنے لان میں ارتزل ایکسرسائز کر رہا تھا ہلکی پھلکی ورزش کے بعد وہ جم چلا جاتا تھا جہاں سے اس کی واپسی پون گھنٹے بعد ہوتی تھی گھر سے جمنازیم تک وہ جاگنگ کرتا ہوا جاتا تھا اس نے خود کو اتنا فریش اور فٹ رکھا ہوا تھا کہ اس کے جسم پر گوشت کی فالتو تہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھی لڑکے اس کی فٹ نس پر رشک کرتے اور لڑکیاں آہیں بھرتی تھیں۔

ایکسرسائز کا سلسلہ موقوف کر کے ارتزل نے برآمدے میں بیٹھی امید کو آواز دی۔

"جی۔" وہ اخبار تہہ کرتی چلی آئی۔

"میں آٹھ بجنے سے پانچ منٹ پہلے آؤں گا تیار رہنا۔" اسے یاددہانی کروا کر وہ پنجوں کے بل دوڑتا کھلے گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس کی ہدایت پر وہ فوراً" تیار ہوئی تھی۔

وہ مقررہ وقت پر واپس آ گیا اسلم نے جوس کا گلاس اسے تھمایا۔

"امید جاؤ میرے کمرے سے بھاگ کر گاڑی کی چابی لے آؤ۔" وہ گلاس اٹھاتا ہوا بولا۔ وہ سرکاری گاڑی میں اسے چھوڑنے جا رہا تھا راستے میں ٹریفک

کانسٹیبل سلام جھاڑ رہے تھے۔ جیسے ہی اس کی گاڑی گیٹ کے آگے رکی دوسری طرف سے عشحی چودھری کی گاڑی آتی دکھائی دی اس نے بڑی حیرت سے امید کو دیکھا اور ساتھ بیٹھے اترل کو دیکھا گیٹ پر ہی اسے شیما مل گئی ان کے آگے آگے امید چل رہی تھی۔

"ارے دیکھا ڈی سی اترل شاہ کو امید مبشر کو ابھی ابھی ڈراپ کر کے گیا ہے۔"

اترل کے نام پر امید کے کان کھڑے ہو گئے عشحی چودھری یونین کی صدر تھی برگر کلاس سے تعلق رکھتی تھی بڑی بے باک اور آزاد خیال لڑکی تھی۔

"ہاں تمہیں نہیں گھاس ڈالنے والا' دو ماہ سے کلب جا رہی ہو صبح نیند کی قربانی دے کر جمنازیم جاتی ہوں ایک نظر بھی نہیں دیکھا ہے اس نے کبھی' بڑا پراوڈ ہے چھوڑو اس کا خیال" شامہ نے اسے جھاڑا۔

امید کالج کی پاپولر گرل بن گئی تھی نصابی سرگرمیوں کے ساتھ وہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی پیش پیش تھی گزشتہ دنوں شاعری کے بین الصوبائی مقابلے میں اس کی وجہ سے کالج نے ٹرافی جیتی تھی پورے چھ سال بعد دوبارا کالج کو یہ اعزاز ملا تھا فائن آرٹس کی ٹیچر بھی اس سے بہت خوش تھی عشحی چوہدری بھی فائن آرٹس کی کلاسز اٹینڈ کرتی تھی امید کے بنائے ہوئے لینڈ اسکیپ نے اسے چونکا دیا تھا یوں اس کی اچھی خاصی جان پہچان ہو گئی تھی۔ ویسے بھی وہ یونین کی صدر تھی اکثر اسے کام پڑ جاتے تھے۔

عشحی کی بات نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا اسے بھی علم تھا کہ وہ ان کے آگے چل رہی ہے اس کے یوں گھومنے پر وہ دونوں مسکرائیں۔

"یہ جو ڈیشنگ و ہینڈسم سا مغرور بندا تمہیں ڈراپ کر کے گیا ہے تمہارا کیا لگتا ہے۔" عشحی نے بڑے آرام سے پوچھا۔

"میرے کزن ہیں۔" وہ بیگ دوسرے کندھے پر منتقل کرتے ہوئے اپنی ناگواری چھپا گئی۔

"امید اپنے کزن سے میری دوستی کروا دو ناں سچی اتنا پراوڈ آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا روز کلب میں سوئمنگ کرنے آتا ہے اس کی وجہ سے میں نے بھی وہاں کی ممبر شپ حاصل کی ہے خود ہی ہیلو ہائے کرتی ہوں مگر وہ زیادہ بات ہی نہیں کرتا ہے۔"

عشحی نے اپنا دکھڑا سنایا۔

"وہ تو آپ سے اتنے بڑے ہیں آپ کسی اور لڑکے سے دوستی کر لیں ناں۔" امید نے بھپرے دریا پر بند باندھنے کی ناکام کوششیں کیں۔

"سوئیٹی دوستی میں عمر کیا دیکھنی میں ٹوئنٹی کی ہوں تمہارے کزن زیادہ سے زیادہ تھرٹی کے لگتے ہیں مجھے اچھے لگے اس لیے کہہ رہی ہوں۔" وہ جیسے اس کی بیوقوفی پر ہنسی۔

"اچھا میری کلاس ہونے والی ہے۔" وہ جان چھڑا کر کوریڈور کی طرف بھاگ گئی اس روز اس نے جان کر فائن آرٹس کی کلاس مس کر دی اور عشحی سے چھپتی پھری۔ اترل اسے لینے آیا تو اس نے "جلدی گاڑی ٹرن کریں" کا شور مچا دیا۔

اگلے دو روز وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے کالج ہی نہیں گئی۔ تیسرے روز تو عشحی نے اسے پکڑ ہی لیا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"مزے کی بات بتاؤں کل میرے انکل کے گھر ڈنر تھا انکل ستار ڈپٹی میئر ہیں ڈنر میں تمہارے کزن اترل بھی آئے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر حیران ہوئے خاصی دیر بات بھی کرتے رہے اور مجھے اپنا کونٹیکٹ نمبر بھی دیا اب شامہ شرط ہار گئی ہے مجھے پی سی میں ٹریٹ دے گی کہہ رہی تھی تجھ سے تو وہ بات ہی نہیں کرے گا۔"

عشحی تفاخر سے بولی تو امید کا چہرا دھواں دھواں ہو گیا وہ کتنی بھرپور اور بے باک سی لڑکی تھی انگ انگ میں جیسے شرارے بھرے رہتے تھے اس کے کئی لڑکوں سے افیئر تھے وہ ہر ایک سے ملتی تھی ان کی کلاس میں یہ باتیں معیوب نہیں تھیں اترل سے رسم و راہ بھی شاید اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

اور پھر امید اترل کی سالگرہ پر عشحی اور اس کے بھائی کو شاہ ولا میں دیکھ کر حیران رہ گئی اس نے بڑا

بھڑکیلا سوٹ پہنا ہوا تھا میک اپ کے تمام ہتھیاروں سے آراستہ وہ واقعی بڑی خوب صورت لگ رہی تھی۔ امید سوچ میں پڑ گئی تھی کہ کیا پہننے اوڑھنے کے معاملے میں اس نے کبھی سرگرمی نہیں دکھائی تھی پر آج وہ سوچ رہی تھی کہ اسے یہ روش ترک کرنی پڑے گی وہ اقرا کو بلا کر لے آئی کہ وہ مشورہ دے اسے کیا پہننا چاہیے۔

"تم جا کر نہاؤ میں تمہارے کپڑے وارڈروب سے نکالتی ہوں ویسے تائی نے ارتزل بھائی کو پھانسنے کے لیے بڑی زبردست لڑکیوں کو ماؤں سمیت بلایا ہے۔" اقرا نے ہنستے ہوئے اسے اطلاع دی تو وہ پریشان سی ہو گئی وہ اتنی چھوٹی سی ہے تائی کو کہاں نظر آئے گی انہیں اپنے وجود کا احساس دلانا چاہیے۔ وہ نہا کر نکلی تو اقرا اس کے کپڑے پریس کر کے جا چکی تھی۔ سفید آدھے بازوؤں والی شرٹ جس پر بلوچی کڑھائی کی گئی تھی بلیک شلوار اور ہم رنگ دوپٹہ تھا جس کے کناروں پر سفید چکن لیس لگی ہوئی تھی اقرا جوتے تک میچ کر کے رکھ گئی تھی راحت نے ہلکا ہلکا میک اپ بھی کر دیا اس نے اس کے بالوں کو اونچا سا جوڑا بنا دیا سیدھی مانگ خوب سوٹ کر رہی تھی اپنی نازک گداز کلائیوں میں ڈھیروں کانچ کی چوڑیاں چڑھائے وہ بڑی بڑی لگ رہی تھی۔

باہر نکلتے ہی تائی اور تایا سے اس کا سامنا ہوا اعظمی نے بے اختیار اس کا ماتھا چوما اور اسی وقت اس کی نظر اتروائی۔ عدی نے اسے دیکھ کر بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی پوری درباری مسخرے کی طرح آداب بجالایا وہ روہانسی ہو گئی۔

ارتزل اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کیک کٹنے کا وقت ہوا تو اس کی متلاشی نگاہیں امید کو تلاش کرنے لگیں راحت نے ہی اسے پکڑ کر آگے کیا آج تو وہ چھپتی پھر رہی تھی ارتزل کو آج ایک دم سے وہ بڑی بڑی لگی۔

"یہ تم ہی ہو یا کوئی اور ہے ویسے نظر ضرور اتروا لینا ہو سکتا ہے میری ہی لگ جائے۔" وہ اسے چاہت سے دیکھ رہا تھا پیچھے کھڑی اقرا بے اختیار کھانسی تو امید کی گھنی پلکیں بے اختیار لرزیں وہ دوسری طرف متوجہ ہو چکا تھا اس کے دل میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گی کیا اقرا اس کے دل کے چور سے آگاہ ہو گئی تھی۔

وہ چپکے سے ارتزل کے لیے خریدا گیا گفٹ پیک اس کے کمرے میں رکھ آئی اسے روبرو دینے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ کمرے میں آتے ہی ارتزل کی نظر بیڈ پر رکھے پھولوں کے بکے اور اس گفٹ پیک پر پڑی تھی۔ تھوڑی دیر قبل ہی کوریئر اسے روشان کی طرف سے بھیجا گیا گفٹ اور کارڈ دے کر گیا تھا اس نے بیتابی سے گیٹ پر ہی پیک کا ریپر پھاڑا تھا اس کا پسندیدہ پرفیوم اور پھول تھے لال سرخ گلاب جو روشان کی طرف سے محبت کی شدت کو ظاہر کر رہے تھے۔

اس نے سوچتی نگاہوں سے وہ گفٹ پیک اٹھا لیا "امید مبشر" اس نے باہر لگے چھوٹے سے کارڈ سے اس کا نام پڑھا اور بڑی احتیاط سے کھولنے لگا محسن نقوی کی کتابوں کا سیٹ اس کا پسندیدہ پرفیوم اور پٹھانے خان کی کیسٹ تھی۔

"بہت خوب" اس نے کیسٹ اسٹیریو پر چڑھا کر کتابیں دیکھنی شروع کیں ہر کتاب پر اس کی خوب صورت رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا "صرف آپ کے لیے۔"

وہ مسکرا دیا مبہم سی مسکراہٹ، اور پھول دیکھنے لگا بیلے کے سفید اور مقدس پھول تھے اس نے اٹھ کر سرخ گلاب اور موتیے کے پھولوں کو کرسٹل کے گلدان میں سجا دیا پٹھانے خان اپنی منفرد آواز میں نغمہ سرا تھا۔

مینڈا عشق وی توں
مینڈا یار وی توں

رات آدھی گزر چکی تھی امید شب خوابی کے ڈھیلے ڈھالے سفید لبادے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

"اپنی نظر اتروا لینا شاید میری ہی لگ جائے۔" ارتزل جیسے اس کے دل میں بولا۔ وہ کھلے دریچے پر کہنیاں ٹکا کر کھڑی ہو گئی بے بسی، جھنجلاہٹ غصہ شدت اور حساسیت اس پر حملہ آور ہو رہی تھیں دل

چاہ رہا تھا ابھی دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں پہنچ جائے اور اس کا گریبان پکڑ کر چیخ چیخ کر پوچھے۔

"کیا تم بھی میری طرح انوکھی سی آگ میں جل رہے ہو کیا تمہارا دل بھی آبلہ بنتا ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے تم بھی بکھر کر سمیٹے جانے کی خواہش رکھتے ہو۔" اسے علم ہی نہیں ہوا کہ اس کا چہرا آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا ہے۔

۔۔۔۔*

بڑی پھوپھو کے بیٹے کا ولیمہ تھا ازل بطور خاص وقت نکال کر آیا تھا دولہا دلہن دونوں اسٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے ازل امید راحت اور اقرا ایک ٹیبل پر تھے فوقیہ اور عاقب کو غور سے دیکھتے پا کر اقرا امید کو چھیڑ بیٹھی۔

"امید دولہن نہیں بننا ہے کہو تو قاضی کو بلوا لاؤں ازل بھائی بھی پاس ہیں۔" امید شرمندہ ہو کر چلی گئی۔ ازل غصے سے اسے دیکھنے لگا۔

"بچی ہے یہ فضول باتیں اس کے سامنے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بچی کہاں ہے کالج اسٹوڈنٹ ہے آپ نے غور سے شاید اسے دیکھا نہیں ہے تین چار سال بعد شادی کے قابل ہو جائے گی آپ کی برتھ ڈے پر اکثر مائیں اس کا بائیوڈیٹا پوچھ رہی تھیں یہاں بھی تین چار بیگمات اسے غور سے دیکھ رہی ہیں۔" اقرا نے اچھی خاصی معلومات جھاڑیں۔

۔۔۔۔*

کچن میں کوئی بھی ملازم نظر نہیں آ رہا تھا ازل کو سر میں درد سا محسوس ہو رہا تھا اس نے امید سے چائے کی فرمائش کر دی وہ چائے لے کر اس کے کمرے میں آئی تو وہ بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

"یہ لیں چائے۔" اس نے پیالی ازل کی طرف بڑھائی نہ جانے کیوں اس کا ہاتھ کانپا اور چائے ازل پر گر گئی اسے تکلیف تو ہوئی پر وہ ضبط کر گیا۔

"آئی سوری میں نے جان کر نہیں گرائی ہے۔" وہ رو دینے کو ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے جاؤ اور لائیٹ آف کر جانا دھیان رکھنا کوئی میرے کمرے کی طرف نہ آئے میں رات کا کھانا نہیں کھاؤں گا کوئی مجھے بلائے نہیں۔" وہ وارڈ روب میں جھانک رہا تھا۔

"اچھا قمیص مجھے اتار کر دیں جلدی جلدی واش کر دیتی ہوں ورنہ داغ پڑ جائے گا آپ کا نیا سوٹ خراب ہو جائے گا۔" اس نے آفر کی کچھ پس و پیش کے بعد وہ تیار ہو گیا اور قمیص اسے اتار کر دے دی وہ واش روم سے قمیص دھو کر نکلی تو تائی اماں کمرے میں باتیں کر رہی تھیں۔

"چائے گر گئی تھی میں نے دھو دی کہیں داغ نہیں پڑ جائے۔" اس نے وضاحت کی تو عظمیٰ نے بیٹے کو گہری نگاہ سے دیکھا وہ قمیص اتارے بیٹھا ہوا تھا اور امید کے واش روم سے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ نکلے تو وہ نہا کر کپڑے تبدیل کرے۔

خاصی دیر بعد وہ اس کے کمرے سے اٹھیں تو امید باہر ٹہل رہی تھی گلابی کپڑوں میں وہ نوشگفتہ سی کلی لگ رہی تھی انہوں نے نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری وہ ماں تھیں امید ان کے ہاتھوں میں پلی تھی وہ اس کا ایک ایک رنگ پہچانتی تھیں اس کی پاگل محبت والا رنگ انہیں خوفزدہ کر گیا تھا ازل کے دل میں کوئی اور تھا ورنہ وہ بخوشی اسے مانگ لیتیں۔

۔۔۔۔*

"پتہ ہے تمہارے ازل صاحب نے لڑکی پسند کر لی ہے۔" راحت نے دھماکا کیا وہ پوری جان سے لرز گئی۔

"کوئی نہیں۔" وہ خالی خالی لہجے میں بولی۔

"جی ہاں جب وہ شیخوپورہ میں تھے تو تب ہی یہ چکر چلا تھا تائی اماں بہت جلد پرپوزل لے کر جانے والی ہیں۔" انکشاف در انکشاف ہو رہے تھے اسے ساری مسکراہٹوں کا خراج آنسوؤں کی صورت میں ادا کرنا پڑ رہا تھا کتاب کھول کر بیٹھتی تو ذہن خالی ہو جاتا کتر کتر زبان خاموش تھی۔

کہا بھی تھا
میری انجان آنکھو

کہا بھی تھا کہ
خواب نہ دیکھو
اس راہ پہ نہ چلو
جہاں پاؤں فگار ہو جائیں
اور دل بھی خار ہو جائیں
اتنے خواب نہ دیکھو
کہ انہیں آنکھوں میں رہنے کے لیے جگہ ہی نہ ملے
مگر
خواب دیکھ دیکھ کے
میری آگہی سے انجان آنکھوں نے
دریا ہونا سیکھ لیا ہے
دل نے درد بننا سیکھ لیا ہے
اور جذبوں نے
سرد ہونا سیکھ لیا ہے

......*

پہلے روشان کے ماں باپ نے اترل کو انگوٹھی پہنائی اور پھر سب ادھر سے شیخوپورہ گئے تھے۔ سجی سنوری حسین سی روشان فاتح ملکہ لگ رہی تھی ایک بات سب نے نوٹ کی کہ وہ اپنے حسن پہ نازاں ہے امید سے تعارف ہونے پر وہ عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔

"اوہ تو آپ ہیں امید۔"

مجموعی طور پر وہ کسی کو بھی پسند نہیں آئی تھی صباحت تو برملا کہہ رہی تھی۔

"میرا بھائی اتنا زبردست ہے روشان بھائی کے مقابلے میں کچھ خاص نہیں ہے۔"

اب جو ہونا تھا ہو چکا تھا اترل خوش تھا ہاں امید کی ہستی زیروزبر ہو گئی تھی۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ
وہ ہوا ہے
میرے ہاتھ نہ آئے گا
وہ بادل ہے
جسے میں چھو نہ پاؤں گی
پھر بھی میں نے
ہوا کو پکڑنا چاہا
بادل کو چھونا چاہا

......*

منگنی کے بعد روشان نے کہہ سن کر اپنی پوسٹنگ ادھر ہی کروالی تھی اب روز وہ اترل سے مل سکتی تھی جب اس کی آف ہوتی وہ گھر پر چلی آتی رات ادھر ہی رکتی اور دوسرے روز چلی جاتی اس کا پہلا امپریشن جو مغرور لڑکی کا تھا گھل مل جانے اور اس کی خوش مزاجی کے باعث ختم ہو گیا تھا وہ جب آتی تو کھانے پہ خصوصی اہتمام ہوتا رت جگا منایا جاتا اچھی اچھی موویز دیکھی جاتیں کارڈز کھیلے جاتے کیرم کی بازیاں جمتیں پنجہ آزمائی کی جاتی۔

امید نے غیر محسوس انداز میں ان کی محفلوں سے غیر حاضر رہنا شروع کر دیا تھا وہ اپنا بھرم بھی نہیں کھونا چاہتی تھی اس روز عدی اسے لے ہی آیا خوب ہنسی مذاق ہو رہا تھا روشان ان کے پرانے البمز دیکھ رہی تھی وہیں اس کی اور اترل کی تصویر تھی روشان نے اترل کو تو پہچان لیا تھا ہاں اس بچی کے بارے میں لاعلم تھی اقرا اور راحت نے ہنس ہنس کر اس کے بچپن کا قصہ دہرانا شروع کر دیا امید نے جھپٹ کر البم سے وہ تصویر نکالی اور ٹکڑے ٹکڑے کر دی وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔

"مت آپ ہر کسی کو میری حماقتوں کی داستان سنایا کریں بچی نہیں ہوں اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔"

وہ روتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی کمرے میں سناٹا سا چھا گیا۔ سب خاموش ہو گئے تھے اترل کے چہرے پر پریشانی کی تحریر با آسانی پڑھی جا سکتی تھی۔

"اتنی اچھی تصویر تھی خواہ مخواہ ہی پھاڑ دی۔"

روشان نے پھٹے ٹکڑے اٹھا کر جوڑنا شروع کیے۔

اترل اسے منانے کے لیے اس کے کمرے کی طرف آیا تو دروازہ لاک تھا ہاں اندر سے ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔

دنیا میں سب نا ممکن ممکن ہوا
اک تیرے میرے ملن کے سوا

چلا ہوں واپس یہ سوچ کر
کہ تیرے دل میں ہے کوئی دوسرا
سب لوگوں نے کہا نہیں ملتے کبھی خوابوں کے لوگ
دل میرا مگر یہ کیوں نہیں مانتا کہ تیرے سوا
کبھی کچھ سوچا نہ تھا
جو راستہ تیرے گھر کا تھا
پر فاصلہ تیری نظر کے سوا کچھ بھی نہ تھا
جو میری چاہت سے کم نہ ہوا
دنیا میں سب ناممکن ممکن ہوا

امید تکیے منہ پر رکھے گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اداس گانا آتا اور رونے کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا۔

ازنل نے تین چار بار دروازہ دھڑ دھڑایا پر اس نے نہیں کھولا۔

......*

امید نے ازنل کے ساتھ کالج جانے سے انکار کر دیا وہ لوکل گاڑی پہ آنے جانے لگی دو تین دن تو وہ دیکھتا رہا پھر اس سے رہا نہیں گیا صبح وہ بیگ اٹھا کر نکلنے لگی تو ازنل نے اسے جالیا۔

"گھر میں چار چار گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں اس کے باوجود تم دوسری گاڑیوں میں دھکے کھاتی پھرتی ہو۔"

"میں نے عدیم بھائی سے کہہ کر وین لگوالی ہے کل سے وہی مجھے پک اینڈ ڈراپ کرے گی۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"میں کس لیے ہوں پھر تم کیوں ایسے کر رہی ہو تمہاری اس حرکت سے مجھے کتنا دکھ پہنچا ہے تم اس کا اندازہ تک نہیں کر سکتیں۔"

"آپ میرے لیے دکھی نہ ہوا کریں۔" سرد لہجے میں بول کر وہ نکل گئی۔

اس روز پھر روشان کی آف تھی وہ چلی آئی سٹنگ روم میں محفل جمی ہوئی تھی ڈرائی فروٹس کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا اچھی خاصی سردی تھی دسمبر کی کڑکڑاتی ہوا لہو تک برف کر رہی تھی۔ گرم گرم کمرے کی فضا بڑی حرارت بخش تھی امید غائب تھی حالانکہ باقی سب یہیں جمع تھے ازنل ہی کو اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا وہ اسے ڈھونڈنے کے لیے گرم گرم کمرا چھوڑ کر نکلا تو وہ اسے لان کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر بیٹھی ملی یوں اکیلی وہ ڈار سے بچھڑی کونج لگ رہی تھی کاٹن کے ہلکے سے کپڑوں میں ملبوس وہ کسی بھی سوئیٹر اور گرم شال سے بے نیاز تھی ازنل کے دل کو کچھ ہوا اس کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ اپنی لیدر جیکٹ اتار چکا تھا ازنل نے اس کے کندھوں پر جیکٹ پھیلائی تو وہ چونکی اسے دیکھتے ہی اس نے بجلی کی تیزی سے جیکٹ نیچے پھینک دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امید جانو اتنی سخت سردی میں کیوں بیٹھی ہو بیمار پڑ کر میری جان کو عذاب میں لے آؤ گی اندر آؤ۔"

ازنل نے رسان سے کہتے ہوئے جیکٹ دوبارہ اس کے شانوں پر ڈال دی۔

"کیوں میں کیوں آپ کی جان کو عذاب میں ڈالوں گی آپ کی جان کوئی مجھ میں ہے۔" اس کی آواز بھیگی بھیگی تھی۔

"ہاں تم میری جان ہی تو ہو کیا نہیں ہو۔" وہ اس کے بے حد قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

خالد جو بات یہ کہتا تھا مجھ کو جان
وہی شخص آخر میں مجھے بے جان کر گیا

"آپ میری پروا مت کیا کریں مت میرے پیچھے پیچھے — گھوما کریں نفرت ہے مجھے آپ کی اس بناوٹی محبت سے آخر آپ کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے بتائیں مجھے۔"

امید کا یہ لہجہ یہ انداز اسے حیرتوں کے سمندر میں ڈبو گیا ازنل کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا امید نے جیکٹ اس کے سینے پر دے ماری اور اپنے کمرے کی طرف بھاگی سامنے روشان کھڑی تھی ایک سیکنڈ کے لیے وہ رکی اور نکلتی چلی گئی یہ دیکھے بغیر کہ وہ کیا قیامت ڈھا گئی ہے۔ ازنل ٹوٹے قدموں سے وہیں ڈھے گیا۔

ادھر وہ دوپٹہ منہ میں ٹھونس کر رو رہی تھی دل دہائیاں دے رہا تھا امید تو نے کیا کر دیا ہے وہ کیا سوچ رہا ہو گا اسے تمہارے خیالات کی بھلا کیا خبر ہے کیوں

اپنے ساتھ اسے بھی سزا دے رہی ہو۔
اس کا دھواں دھواں چہرا امید کا دل مسل گیا تھا جیسے۔

صبح جب وہ آفس کے لیے نکلا تو وہ امید کے رات کے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا رات وہ سوچ سوچ کر سو ہی نہیں سکا تھا آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اس کے تھکے تھکے نڈھال انداز کو سب نے محسوس کیا تھا وہ ایکسر سائز کے بعد فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پہ یوں آتا تھا کہ دیکھنے والی آنکھ میں بھی تازگی اتر آتی تھی آج اتنے سالوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ جمنازیم نہیں گیا تائی اماں کہتی تھیں کہ موت کا فرشتہ بھی اگر آجائے تو اتزل اس سے کہے گا پہلے مجھے ایکسر سائز کرنے دو پھر میری روح نکالنا ویسے بھی وہ اپنی فٹ نس کے بارے میں بڑا محتاط رہتا تھا۔ ناشتے پر بھی آج اس نے صرف ایک پیالی چائے پی تھی۔

اس کا ذہن امید میں یوں بری طرح پھنسا ہوا تھا کہ اسے سر پر آتی سفید ایف ایکس کی خبر ہی نہیں ہوئی گاڑی پوری قوت سے اتزل کی گاڑی سے ٹکرائی شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا ہوا اس کے بازو اسٹرینگ پر بے جان ہو گئے وہ اعلیٰ افسر تھا کئی گاڑیاں بیک وقت اسے ہاسپٹل پہنچانے کے لیے رک گئیں شاہ ولا کے مکینوں کو فوراً اس سانحے کی خبر ہو گئی۔ اتزل کو کافی شدید چوٹیں آئی تھیں سینے میں شیشے کے ٹکڑے اتر گئے تھے ایک بازو کی ہڈی کریک تھی فی الحال اس کی حالت نازک ہی تھی۔ جس ہاسپٹل میں اسے لایا گیا تھا روشان بھی یہیں کام کرتی تھی اس وقت وہ آن ڈیوٹی نہیں تھی شام میں اسے آنا تھا۔

سب ہاسپٹل پہنچ گئے تھے عظمیٰ اپنے کڑیل وجوان بیٹے کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر حواس چھوڑ بیٹھی تھیں۔ امید کالج سے گھر لوٹی تو صرف بوبی تھا اس نے ہی اسے وہ روح فرسا اطلاع دی اسے یقین تھا کہ یہ صرف اس کی وجہ سے ہوا ہے وہ بھی اس کے ساتھ ہاسپٹل چلی آئی۔

تیسرے دن اسے دیکھنے کی اجازت ملی وہ اپنے ہوش میں ہی نہیں تھا روشان کے گھر والے بھی آئے ہوئے تھے۔ اتزل کا کمرا گیٹ ویل سون کے کارڈز اور پھولوں سے بھر گیا تھا۔ جب تک وہ ہوش میں نہیں آیا امید اسے دیکھنے جاتی رہی بعد میں وہ ایک بار بھی نہیں گئی یہاں تک کہ وہ ڈسچارج ہو کر گھر آگیا تھا ابھی وہ پوری طرح **صحتیاب** نہیں ہوا تھا اس لیے اپنے کمرے میں ہی پڑا رہتا تھا امید حتی الامکان اس کے سامنے جانے سے گریز کرتی کسی اور نے محسوس کیا یا نہیں مگر اقرا اور عدی کی نگاہیں بہت تیز تھیں اتزل کی دیوانی ایک بار بھی گھر آنے کے بعد اس کے کمرے میں نہیں گئی یہاں تک کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اتزل نے اس کا پوچھ ہی لیا زندگی میں پہلی بار اس کا رویہ بدلا تھا اگر اسے معمولی سا بخار بھی ہو جاتا تو امید پریشان ہو جاتی اپنے ننھے منے ہاتھوں سے دعا مانگتی کہ وہ جلدی ٹھیک ہو جائے اسے دوا ہاتھوں سے پلانے کی ضد کرتی اس کا سر دباتی بالوں میں انگلیاں پھیرتی اور جب وہ ٹھیک ہو جاتا تو کتنی خوش ہوتی پھر بھی اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کرتی کہ اب اس کی پیشانی گرم تو نہیں ہے پورا ایک ماہ ہو گیا تھا اسے بیڈ پر پڑے ہوئے وہ ایک بار بھی اس کا حال پوچھنے نہیں آئی کیا واقعی وہ اب بڑی ہو گئی تھی فیصلہ کرنے والی۔

"امید تم اتزل بھائی کو دیکھنے کیوں نہیں جا رہی ہو۔" اقرا نے اس کے ہاتھ سے کتاب چھین لی۔

"جاتی تو ہوں۔" اس نے جھوٹ گھڑا۔

"ادھر دیکھو میری طرف تم اب جھوٹ بھی بولنے لگی ہو کتنی بار وہ تمہارا پوچھ چکے ہیں کیا آپس میں کوئی ناراضگی چل رہی ہے۔" اس نے امید کا چہرا جانچا۔

"نن نہیں۔" پکڑے جانے پر وہ گھبرا گئی۔

"تو اٹھو جاؤ ان کا حال احوال پوچھ لو یوں خود کو ارزاں مت کرو اس کا اب فائدہ بھی نہیں ہے۔" اقرا نے اس سے نظر نہیں ملائی تو وہ چونک گئی۔ اس کا آخر کیا مطلب ہے یہی ناں کہ وہ سب جانتی ہے۔ جو جذبے اس نے دل کی گہرائیوں میں سینت سینت کے رکھے تھے وہ سر عام عیاں ہو رہے تھے تبھی تو وہ اسے ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھا گئی تھی۔

اتزل کے کمرے تک کا سفر اس نے بہادری سے

طے کیا وہ لیٹا ہوا تھا اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا نہ جانے یہ امید کی نگاہوں کا دھوکا تھا کہ کچھ اور اسے دیکھتے ہی ازل کی آنکھیں چمک اٹھیں امید نے کرسی اٹھا کر اس کے بیڈ سے قدرے فاصلے پر رکھی وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی بڑے عام سے الفاظ میں اس کا حال پوچھا دس پندرہ منٹ بعد رسمی سا اظہار افسوس کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ ازل کو بھولنے کی کوششیں کر رہی تھی اس لیے خود کو مکمل طور پر کالج اور کتابوں میں غرق کر لیا تھا جب بھی دیکھو وہ کتابوں میں سر دیئے ملتی ازل سے اس کی بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی وہ اسے مخاطب کرنا بھی چاہتا تو اس کے سرد سے تاثرات دیکھ کر ارادہ ملتوی کر دیتا وہ چاہتا تھا کہ وہ پہلے کی طرح اس سے ہنسے بولے ضد کرے فرمائشیں کرے اس کا یہ رویہ وہ جس دکھ سے برداشت کر رہا تھا، ہی جانتا تھا۔

وہ دو ڈھائی سال کی تھی جب ازل نے اس کے معاملے میں خود کو بااختیار سمجھنا شروع کیا تھا اور امید کی صبح ہی اس کے نام کی مالا جپنے سے ہوتی تھی وہ جیسے اس کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا اس کی مرضی کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کرتی تھی جو بات ازل کہتا وہ اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی پھر اب وہ کیوں ایسی ہو گئی تھی سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی رگیں چٹخنے لگتیں۔

"عظمیٰ جلد از جلد ازل کی شادی کے معاملے سے نمٹنا چاہتی تھیں زیادہ دیر وہ امید کے اعصاب کو جنگ کرتا نہیں دیکھ سکتی تھیں ازل کے ساتھ اس کی بے رخی کا سبب انہیں معلوم ہو گیا تھا ادھر عدی کے ہونے والے سسر بھی اپنی بیٹی کی فوراً" شادی کرنا چاہتے تھے چچی نے تو تیاریاں شروع کر دی تھیں عظمیٰ نے بھی روشان کے گھر والوں سے بات کی تھی انہوں نے تین ماہ کا ٹائم مانگا تھا یوں عدی کی باری پہلے آ گئی تھی۔

عظمیٰ نے زیورات اور کپڑے پسند کرنے کے لیے روشان کو بلایا تھا اسے علم نہیں تھا کہ وہ اس کے گھر بات کر چکی ہیں ایک براڈ مائنڈڈ ساس کی طرح وہ ہر چیز اس کی پسند سے خریدنا چاہتی تھیں۔ وہ آ گئی تھی اور ازل کے کمرے میں تھی تھوڑی دیر بعد ہی اس کے کمرے سے تیز تیز باتوں کی آوازیں آنے لگیں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا روشان تو بہت دھیمے لہجے میں بات کرتی تھی اب اس کی چیختی آواز نے سب کو کمرے کے دروازے پر لا کھڑا کیا تھا امید بھی وہاں کب چلی آئی تھی۔

"میں پہلے بھی کہتی تھی کہ تمہاری آنکھوں میں کسی اور کا عکس ڈولتا ہے پر تم نہیں مانے تم نے شیخوپورہ میں بھی اس کا ذکر کر کر کے میرے کان کھا لیے تھے اسے یہ پسند ہے اسے وہ پسند ہے وہ یوں ہنستی ہے یوں بولتی ہے یوں چلتی ہے یوں بولتی ہے میں جان گئی تھی تم کسی اور کے قبضے میں ہو۔" روشان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اس نے انگلی سے منگنی کی انگوٹھی اتاری کمرے کے باہر کھڑے افراد کا اسے ذرہ بھر خیال نہیں تھا۔

"یہ لو یہ اسے پہنانا اگر کوئی غلط فہمی ہے تو یہ ڈائریاں پڑھ کر دور کر لو۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی چار پانچ ڈائریاں زبردستی ازل کے ہاتھ میں تھمائیں اور باہر لپکی۔

"کیا ہوا ہے کیا ہوا ہے۔" سب نے اسے روکنا چاہا۔

"میں غاصب نہیں ہوں۔" روشان نے امید کے پاس رک کر فقط ایک جملہ بولا اور پورچ میں کھڑی گاڑی اسٹارٹ کر کے یہ جا وہ جا۔ ستون کے ساتھ کھڑی امید کا چہرا سفید پڑ گیا تھا اپنے ہاتھ سے لکھی ان ڈائریوں کو وہ باآسانی پہچان سکتی تھی جانے یہ روشان کے ہاتھ کیسے لگی تھیں ان ڈائریوں میں کیا کچھ نہیں تھا ازل کے لمحے لمحے کا حساب ان میں درج تھا آج اس نے کیا پہنا ہے کیا کھایا ہے کہاں گیا ہے کس سے ملا ہے کیا کیا باتیں کی ہیں کیسا لگ رہا ہے باہر سے کتنے بجے آیا ہے۔ صبح کب بیدار ہوا ہے بالوں کا اسٹائل کب تبدیل کیا ہے سب کچھ لکھا ہوا تھا ہوسٹل جانے کے بعد اس کے خیالات میں جو تبدیلی آئی تھی اس نے معصومیت سے اسے بھی درج کر دیا

تھا پھر اس کے قطرہ قطرہ لہو ہوتے دل کا حساب بھی انہی کاغذوں میں بند تھا ابھی سب اس کے راز سے آگاہ ہو جائیں گے اور اور...... اس کے آگے اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا وہ پورے قد سے کھڑے کھڑے ماربل کے فرش پر گری تھی۔

"تایا جان امید کو دیکھیں کیا ہوا ہے۔" راحت چیخی سب کو اس کی پڑ گئی ارتزل نے تمام ڈائریاں سمیٹ کر دراز میں رکھ دیں اور گاڑی کی چابی اٹھا کر اس کے وجود کو نظر انداز کرتا لمبی لمبی سڑکیں ناپنے لگا۔

"روشان نے تمہارے نام کے ساتھ اس کا نام اچھالا ہے اب کوئی بھی سب کچھ جانتے بوجھتے اس کا رشتہ لینے نہیں آئے گا فرض کیا اگر اس کی شادی ہو بھی گئی تو اس کی سسرال والے اور شوہر تمہارے نام کے طعنے دے دے کر اسے بے مول کر دیں گے اگر تم روشان کا نام نہ لیتے تو تمہاری ماں کچھ اور ہی سوچ بیٹھی تھی یتیم بچی ہے ہمارے سامنے پلی بڑھی ہے پھر تمہیں چاہتی بھی ہے اس کی محبت کی قدر کرو اور اسے نئے روپ میں قبول کرلو۔"

بند کمرے میں لقمان، فواد، شاہ زیب جہانزیب ان کی بیویاں اور عظمی سب ارتزل کو قائل کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

"کیا یہ اتنا ہی آسان ہے وہ مجھ سے تقریباً پندرہ سولہ سال چھوٹی ہے اس کے احساسات کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔" ارتزل تپ گیا تو فواد کو بھی غصہ آگیا۔

"تو کیوں اس کی کمزوری بن گئے تھے کیوں اسے اتنی چاہت دی کہ وہ تمہیں اول و آخر اپنا سمجھنے لگی۔"

"میرا کوئی قصور نہیں ہے وہ خود اس طرح سوچ رہی ہے میں نے اشارتاً بھی کبھی اس سے ایسی بات نہیں کی خود اس کے دل میں بے ایمانی تھی۔" ارتزل نے اپنا دامن بچایا تو فواد مارے غصب کے کانپنے لگے۔

"تم خود بے ایمان منافق اور بددیانت ہو اس کا نکاح تمہارے ساتھ ہی ہو گا میں نے اس کی ڈائری پڑھی ہے اس نے واضح الفاظ میں خودکشی کی طرف اشارہ کیا ہے اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں شوٹ کر کے خود بھی پھانسی چڑھ جاؤں گا اگر میری بات منظور ہے تو رات کو میرے کمرے میں آجانا۔" فواد کا انداز قطعی و بے لچک تھا۔

وہ رات کو ان کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ لڑکے لڑکیوں کو اس کی رضامندی کی خبر ہو گئی تھی وہ سب بے پناہ خوش تھے خاص طور پر اقرا اور عدی وہ امید کی آنکھوں کی جوت سلامت دیکھنا چاہتے تھے وہ اندھیرا کیے لیٹی ہوئی تھی سب کزنز نے یکے بعد دیگرے اسے مبارکباد دی تھی ارتزل کے تاثرات دیکھ کر کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اسے کچھ کہتا۔

"تم جیت گئی ہو کتنی گھنی ہو بچپن ہی سے اپنا جوڑ منتخب کرلیا تبھی تو اسے بھائی نہیں کہتی تھیں۔" اقرا کے ذہن پر ماضی کی خوب صورت یاد نے دستک دی سب امید کو چھیڑنے لگے۔ مغرب کے بعد ارتزل کے ساتھ اس کا نکاح تھا رخصتی ڈیڑھ ماہ بعد عدی کی شادی کے ساتھ ہی عمل میں آنی تھی تیمور لقمان اور فواد مولوی صاحب کے ساتھ اس کی رضامندی لینے آئے تو اس نے لرزتے ہاتھوں سے سائن کر دیے۔ بعد میں مٹھائی کھائی گئی ارتزل فوراً غائب ہو گیا تھا اب سب کے شوخ فقروں کا نشانہ امید تھی۔

"کتنی لکی ہو تم جو چاہا پالیا یہاں تک کہ ارتزل کو بھی۔" راحت نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ مسکرا دی ایسی مسکراہٹ جس میں فتح کی آمیزش تھی۔

فواد امید کی شادی کی تیاری کسی سگی بیٹی کی طرح کر رہے تھے ارتزل کے منع کرنے کے باوجود وہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی خرید رہے تھے ارتزل اس شرط پر نکاح کے لیے تیار ہوا تھا کہ شادی کے بعد وہ امید کو الگ گھر میں رکھے گا کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا ارتزل نے خود ایک پوش پر سکون علاقے میں سپر لگژری بنا بنایا گھر خرید لیا تھا جس کو آج کل فرنشڈ کروا رہا تھا سب لڑکیاں امید کو چھیڑتیں کہ ارتزل کو کسی تیسرے کی مداخلت گوارا نہیں ہے تبھی الگ گھر خریدا ہے۔ عظمی نے

اعتراض کیا تھا کہ رخصتی ڈیڑھ دو سال بعد کرتے ہیں تب تک امید مزید سمجھدار ہو جائے گی پر فواد نہیں مانے تھے ان کا کہنا تھا کہ شادی کے بعد لڑکیاں بہت جلد میچور ہو جاتی ہیں وہ بھی ہو جائے گی خوامخواہ کی دیر مناسب نہیں ہے بنا بنایا کام بگڑ جائے گا شاید ازل ہی رسی تڑوالے ان کی دلیل وزن دار تھی سو وہ اپنے موقف سے ہٹ گئی تھیں۔

عدی کے ولیمے کے تیسرے روز امید کی رخصتی تھی اس نے عدی کی شادی کی تمام رسموں کو بھرپور انجوائے کیا تھا ضد کر کے مایوں میں بیٹھے کے باوجود اس کی مہندی پر گئی تھی بارات و ولیمہ اٹینڈ کیا بارہا ازل سے سامنا ہوا مگر اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تیمور نے ازل کے افسران کولیگ، ماتحت اور ان کی بیگمات سے امید کا تعارف کروایا۔

"بہت ام میچور اور انوسینٹ ہے۔" مسز شیراز نے تبصرہ کیا تو بولی نے لقمہ دیا۔

"ازل بھائی نے ہی اسے اتنا بڑا کیا ہے۔" پیچھے کھڑے ازل کے سینے میں جیسے کسی نے نوکیلا خنجر اتار دیا تھا۔

"لڑکی کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو ایک دو بچوں کے بعد برابر کی لگنے لگتی ہے۔" مسز شاہد بولیں تو امید بے طرح جھینپ گئی قریب کھڑے ازل کو وہ بھی دیکھ چکی تھی وہ خواتین کی پر اشتیاق نگاہوں سے بچتی بچاتی نکل آئی۔

عدی کی دولہن آ چکی تھی لڑکیوں کے کھلے کھلے تبصرے امید بھی سن رہی تھی بلکہ راحت نے تو مشورہ دیا کہ تم بھی کچھ گر سیکھ لو۔

......*

عدی کی دلہن دلہناپے کی شرم و حیا یکسر فراموش کیے امید کے مومی گداز ہاتھوں پر مہندی کی کون پکڑے بڑی مہارت سے گل بوٹے بنا رہی تھی ساتھ بڑے فرائے سے اسے کام کی باتیں بتاتی جا رہی تھی قریشہ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ دو دن پہلے اس گھر میں آئی ہے ہنس مکھ طبیعت کی وجہ سے سب سے فری ہو گئی تھی عدی بھی خوش تھا اتنی اچھی اور سمجھدار لڑکی پا کر۔

اقرا لیزا، رومیزہ، راحت اور صباحت اپنے اپنے بچوں کو شوہروں کے سپرد کر کے امید کے کمرے میں دھرنا دیئے بیٹھی تھیں صباحت اس کا برائیڈل ڈریس پریس کر کے بیڈ پر رکھ گئی تھی امید کی مہندی سوکھ چکی تھی اقرا اس کے لمبے گھنے بال سلجھا رہی تھی۔ اس نے سب کو امید کا ضروری سامان لانے دوڑا دیا۔

"امید تم اتنی چھوٹی سی ہو کہ میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں کیا کیا سمجھاؤں۔" اس نے برش روک کر امید کا معصوم و انجان چہرا دیکھا قریشہ جو چوڑیاں میچ کر رہی تھی اس کی بات سن کر قریب آ گئی۔

"ہم سمجھا دیتے ہیں۔" وہ شرارت سے ہنسی۔

جیسے ہی امید کپڑے تبدیل کر کے آئی بیوٹیشن آ کے بیٹھی ہوئی تھی اس نے ساری مہارت امید کو سجانے بنانے میں صرف کر دی آف وائٹ لانگ شرٹ اور شرارے میں ڈھیروں زیورات پہنے بالوں میں پھول سجائے وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی بولی نے سامنا ہوتے ہی امیزنگ کہا کوئی سلیپنگ بیوٹی کا خطاب دے رہا تھا کوئی کم عمر شہزادی کا۔ پلکیں اٹھاتے گراتے دھیرے سے مسکراتے دیکھ کر اس پر کانچ کی مورت کا گمان ہو رہا تھا سب سراہ رہے تھے فواد اور عظمٰی بہت خوش تھے انہوں نے مبشر اور طیبہ کی امانت آج حقدار کے سپرد کر دی تھی۔

رخصتی رات گئے عمل میں آئی وہ سب اسے ازل کے نئے گھر کے بیڈ روم میں چھوڑ کر جا چکے تھے پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی تھی اس لیے عظمٰی نے لڑکیوں کو زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیا تھا۔ امید نے ایزی ہوتے ہی خوب صورتی سے سجے بیڈ روم کا جائزہ لیا اسے فلموں ڈراموں میں سجے ہوئے بیڈ روم زہر لگتے تھے مگر یہاں نفاست و نزاکت کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا کہیں سے بھی سطحی رنگ نہیں جھانک رہا تھا۔

قدموں کی آہٹ ابھرتے ہی وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گئی، وہ ہزار ہا ازل کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں بیٹھی تھی اس سے باتیں کی تھیں اس کے سینے پر سر رکھ کر کہانیاں سنی تھیں پر آج اس کے تصور کے ساتھ ہی

اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا دل دھک دھک کرنے لگا تھا وہ نئی حیثیت سے تو پہلی بار اس کے کمرے میں آئی تھی نیا رشتہ' نیا تعلق نئے نئے احساسات اس کے اندر میٹھا میٹھا سا درد جگانے لگے۔

دھیرے سے دروازہ کھلا اترل کے پسندیدہ پرفیوم کی خوشبو پہلے اندر آئی وہ بعد میں اندر آیا۔ امید کی نگاہیں اپنے پاؤں کے ناخنوں پر مرکوز ہو گئیں وہ صوفے پر بیٹھ گیا پاؤں کو جوتے سے آزاد کیا گریبان کے اوپری دو بٹن کھولے آستینوں کے کف' کہنیوں تک چڑھا لیے پاکٹ سے تمام چیزیں نکال کر صوفے پر اچھال دیں خاصی دیر وہ یونہی بیٹھا رہا امید کو گھبراہٹ ہونے لگی پھر وہ بیڈ پر اس کے چہرے کو نگاہوں کی گرفت میں لیتے اس کے سامنے بیٹھ گیا اس کا چہرہ گھونگھٹ کی قید سے آزاد تھا دوپٹہ پیشانی سے خاصا اوپر پنیں لگا کر سیٹ کیا گیا تھا وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا امید کی گھنی پلکیں باربار رخساروں پر لرز رہی تھیں۔

''ہوں۔'' کتنی دیر بعد اس کے لبوں سے یہ مبہم سا لفظ نکلا۔

''نکاح سے پہلے میں تمہیں ذہنی جسمانی اور جذباتی طور پر بچی ہی سمجھ رہا تھا سولہ ساڑھے سولہ سال کی لڑکی بچی ہی ہوتی ہے بشرطیکہ اسے زمانے کی آلودگیوں نے نہ چھوا ہو تمہارے بارے میں میرا پہلے یہی خیال تھا کہ تمہیں نئی دنیا کی ہوا نہیں لگی ہے مگر تم نے اپنی حرکتوں سے میرے خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے اس عروسی سوٹ میں تم بچی نہیں زمانہ ساز عورت لگ رہی ہو ابھی تمہاری عمر یہ سوٹ پہننے کے قابل نہیں تھی جذباتی طور پر تم شاید خود کو میرے برابر سمجھ رہی ہو تمہاری ڈائری میں یہی لکھا ہے ناں کہ محبت کے عمل کے دوران محبوب اور محب ایک ہی سطح پر آجاتے ہیں' عمر کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا تمہارے اس نظریے کے مطابق میں تمہارے برابر ہوں مگر میرے نظریے کے مطابق تم تمام عمر بھی میری سطح کے برابر نہیں آسکتیں چاہے سات جنم بھی لے لو۔

واقعی تم بہت بڑی ہو گی ہو بچی نہیں زہریلی ناگن ہو جس نے میرے خوابوں کو ڈس لیا ہے تم ایک حسینہ اور جلاپے کی آگ میں ماری عورت ہو تمہاری اس صورت تمہارے اس روپ سے جو تم نے مجھے زیر کرنے کے لیے اپنایا ہے اس سے مجھے گھن آرہی ہے۔''

وہ قہر و غضب میں بھرا زخمی درندہ لگ رہا تھا جو کسی بھی لمحے اسے چیر پھاڑ سکتا تھا وہ فق ہوتے چہرے کے ساتھ اس کے تذلیل بھرے فقرے سن رہی تھی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے تمہاری گردن دبا دوں تمہارا خون پی جاؤں تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلاؤں۔'' وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ سچ مچ اس کے قریب ہوا اور اس کی صراحی دار زیورات سے بوجھل گردن دونوں ہاتھ سے دبوچ لی امید کی آنکھیں ابل آئیں اور سانس سینے میں گھٹ کر رہ گیا وہ مخملی کسمسائی گردن کا گلوبند جیسے اس کے حلق میں پیوست ہوا جا رہا تھا۔

''آئی ول کل یو۔'' اترل نے ہاتھوں کا دباؤ بڑھایا تو وہ ایک دم بے جان سے ہو گئی اترل نے بجلی کی تیزی سے اسے چھوڑ دیا وہ بالکل بے حس و حرکت تھی اس نے اس کے بالوں سے موتیے کے گجرے نوچ کر نکالے دوپٹہ اتار کر مسہری سے دور اچھال دیا گردن کا گلوبند نکالا تو سرخ سرخ سے نشان واضح ہو گئے اس نے بڑی بے رحمی سے اسے زیورات کی قید سے آزاد کیا اور بیڈ شیٹ الٹ پلٹ دی کمرا صبح تک کے مطلوبہ اسٹیج کے لیے تیار ہو چکا تھا وہ اپنا من پسند ایکٹ بھی سوچ چکا تھا بکھری بکھری بے ترتیب مسہری دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی اور باہر آکر دوسرے بیڈ روم میں گھس گیا۔

......*

''اٹھو ہری اپ شاور لے کر فریش ہو جاؤ تمہارے کپڑے ڈریسنگ روم میں ہیں۔'' امید کو اترل کی آواز برزخ سے آتی محسوس ہوئی اس نے دوسری بار اسے سختی سے باقاعدہ اٹھا کر بٹھایا تو وہ عالم ہوش میں آئی مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا گلے میں درد کا احساس ہو رہا تھا۔

''میری بات غور سے سنو شاور لے کر تیار ہو جاؤ

گھر والے تھوڑی دیر میں پہنچ رہے ہیں۔" وہ سختی سے بولا تو امید میکانکی انداز میں اٹھی۔ فرحت بخش پانی کی پھوار گردن پر پڑی تو اسے مرچیں سے لگتی محسوس ہوئیں اسے اپنا حلق سوجا سوجا لگ رہا تھا۔

"یہ شخص تو میری ذراسی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تھا کجا کہ خود یوں کرے۔۔۔"

"پھر اس کی رات والی حرکت کیا معنی رکھتی ہے۔" کوئی دل سے بولا اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں اسے بچپن کا ایک واقعہ یاد آگیا اس نے پھل کاٹنے والی چھری سے بے دھیانی میں خود کو کٹ لگا لیا تھا اور خون نکلتے دیکھ کر زور زور سے رو رہی تھی ارتزل نے اس کے ہاتھ کی بینڈیج کی تھی اسے روتے دیکھ کر وہ بار بار اسے چپ کراتا بینڈیج والا ہاتھ چومتا اس کا ذہن زخم سے ہٹانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرتا۔ اس کا ہتھیلی پہ بچپن کے زخم کا نشان ابھی تک موجود تھا وہ جب بھی اپنی ہتھیلی کھولتی تو اس نشان پہ اسے دو مسیحا صفت ہونٹوں کا لمس محسوس ہوا کتنی بار وہ اس نشان کو اپنے ہونٹوں سے چھو کر شرمائی تھی۔

"رات کو اسے کیا ہو گیا تھا اس نے کیوں سنگدلوں والا برتاؤ کیا تھا۔"

وہ کپڑے بدل کر باہر آئی تو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی گردن کو غور سے دیکھا گلوبند چبھنے سے جا بجا جیسے کانٹے کے نشان بن گئے تھے اسے واقعی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ ارتزل نکھرا نکھرا سا اخبار میں سر دیئے بیٹھا تھا وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی اس نے امید کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ ڈرتے ڈرتے بیٹھ گئی۔

"رات کو جو کچھ ہوا کسی سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کل تو میں نے چھوڑ دیا تھا آئندہ۔۔۔۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تو وہ سہم گئی یہ وہی ارتزل تھا جو اس کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے بات کرتا تھا۔ ابھی وہ اسے ہدایات دے ہی رہا تھا کہ وہ سب چلی آئیں بزرگ خواتین گھر پر ہی تھیں وہ دونوں کے لیے ناشتا لے کر آئی تھیں۔

"لگتا ہے یہاں تیسری جنگ عظیم چھڑی ہے۔" قریشہ مسہری اور کمرے کے حالت دیکھ کر تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکی سب نے امید کے بالوں سے ٹپکتے پانی کے قطروں کو معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔

"امید یہ تمہاری گردن کو کیا ہوا ہے۔" اقرا کے کہنے کی دیر تھی سب اس کے پاس کھسک آئیں۔

"اصل میں۔" وہ آنسو پیتے ہوئے زبردستی مسکرائی اس "اصل میں" کے بعد اس نے مطمئن کرنے والا جھوٹ بولا جس سے وہ پرسکون ہو گئیں ارتزل ناشتا کرنے کے بعد باہر چلا گیا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ اسے شاہ ولا لے آئیں یہیں شام کو ولیمہ کی تقریب ہونی تھی وہ آتے ہی پڑ کر سو گئی تھی عظمیٰ بیگم کے سر سے جیسے کوئی بھاری بوجھ سرک گیا تھا سب سمجھ رہے تھے کہ وہ سو رہی ہے وہ تو کمرا بند کیے اپنی حسرتوں پہ ماتم کناں تھی۔ محبت کرنے کی اتنی بھیانک سزا ملے گی اس نے تو یہ سوچا بھی نہیں تھا۔

شام چار بجے کے قریب بیوٹیشن اسے دوبارا تیار کرنے آگئی امید کل سے بڑھ کر آج حسین لگ رہی تھی سوگواریت میں رچے حسن کی شان دوبالا ہو گئی تھی۔ ارتزل سب سے مبارکباد وصول کر رہا تھا۔ سب مہمان رخصت ہوئے تو ارتزل نے بھی سب سے اجازت چاہی امید کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ یہیں رک جائے سب نے ہنستے مسکراتے انہیں رخصت کیا ارتزل خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ کپڑے بدل کر ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو وہ کمرے میں موجود تھا اس نے بھی سوٹ اتار کر کرتا شلوار پہنا ہوا تھا ارتزل نے دروازہ لاک کیا تو اس کا دل دھڑک دھڑک کر باہر آنے کے جتن کرنے لگا اس نے ٹیوب لائیٹ آف کر کے نائیٹ بلب جلایا تو اس کا جی چاہا ہوش و خرد سے بیگانی ہو جائے ارتزل نے اسے مخاطب کیا۔

"مرد کو اللہ نے قدرتی طور پر مضبوط اور عورت کے حقوق کا محافظ بنایا ہے شرعی رشتے میں بندھ کر محض ایک شب میں تمام حجاب اٹھ جاتے ہیں میں جانتا ہوں تم ہوس کی ماری لڑکی ہو بھلا تم محبت جیسے نازک جذبے کو کیا جانو اگر مجھے اپنے حقوق کا محافظ بنانا چاہتی

ہو تو اپنا حق مجھ سے مانگو روؤ گڑگڑاؤ بصورت دیگر تاقیامت محروم رہو گی۔" وہ دم سادھے اسے بولتا دیکھ رہی تھی ایسی تذلیل اور توہین کا اس نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔

"فار گاڈ سیک لیو می الون ہم پلیز۔" اس نے تڑپ کر فریاد کی۔

"کیا یہاں اکیلی رہنے کے لیے آئی ہو نہیں بلکہ۔۔۔" وہ تمسخر سے بول رہا تھا امید نے اس کے زہریلے الفاظ سے بچنے کے لیے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں چند لمحے وہ اسے دیکھتا رہا اور کل کی طرح دوبارا دوسرے بیڈ روم میں سو گیا۔

صبح وہ شاہ ولا آ گئی یہاں دو دن سکون سے گزرے وہ اس کی زبان کے زہریلے تیروں سے محفوظ رہی واپسی پہ پھر وہی ڈراما شروع ہو گیا وہ بڑے ضبط و حوصلے سے اس کے وار سہہ رہی تھی۔ یونہی ڈیڑھ ماہ گزر گیا زندگی یکسر آگ کا دریا لگنے لگی تھی۔

۔۔۔۔*

وہ اسے کچوکے لگانے سے باز نہیں آتا تھا ذرا اچھے کپڑے پہن کر نک سک سے تیار ہوتی تو کہتا کہ مجھے رجھانے کے لیے تم نے یہ سب کیا ہے صبح ناشتے کے لیے اسے جگاتی تو کہتا کہ ادائیں دکھا رہی ہو اس کے کپڑے پریس کرتی یا ان کی چیزوں کا دھیان رکھتی تو کہتا کہ تم اداکاری سے مجھے گھائل کرنا چاہتی ہو۔ اس نے شکر کیا جب اس کا کالج کھلا اب وہ کتابوں میں سر دیے اس کے طنز و تحقیر سے بچنے کی کوشش کرتی۔

اس رات وہ کتابیں لے کر جیسے ہی بیٹھی وہ آ گیا وہ اسٹڈی روم یا لاؤنج میں بیٹھ کر پڑھتی وہ بھی شاید کوئی کتاب لینے آیا تھا امید کو پتا تھا رات کو مطالعہ کیے بغیر وہ سوتا نہیں تھا وہ سر جھکا کر تندہی سے قلم نوٹ بک پر گھسیٹنے لگی۔

"خواہ مخواہ بینائی کتابوں پر ضائع کر رہی ہو نظروں کے تیر مجھ پر چلاؤ تو بات بن جائے گی۔" وہ بڑے دوستانہ لہجے میں بول رہا تھا امید نے سنی ان سنی کر کے صفحہ پلٹا تو وہ اس کی پشت پر جھانک کر اس کا لکھا دیکھنے لگا اس کا پہاڑ سا ناقابل تسخیر وجود امید پر جھک آیا

اٹرنٹی کی سحر انگیز مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اس نے بمشکل بکھرے حوصلوں کو جمع کیا اٹزل کے سحر سے بچنا آسان تو نہیں تھا۔

۔۔۔۔*

جمعے کا دن تھا امید نے غسل کر کے ظہر کی نماز ادا کی اور سورت کہف پڑھنے لگی خدا کے حضور جھک کر اسے بہت سکون ملا شام سو کر اٹھی تو وہ کافی فریش تھی ذہن پر دباؤ بھی نہیں تھا، تائی اماں کا فون بھی آیا تھا انہوں نے اسے چکر لگانے کی ہدایت کی تو اس نے فوراً" پروگرام سیٹ کر لیا اور تیار بھی ہو گئی اس نے آرائش میں اہتمام سے کام لیا تھا آنکھوں میں کاجل لگا کر بانہوں میں چوڑیاں پہنی تھیں شاہ ولا کی طرف جاتے ہوئے وہ یوں ہی ہلکی پھلکی ہو جاتی تھی۔

اٹزل آفس سے لوٹا تو وہ بے قراری سے چکر کاٹ رہی تھی اس نے جان کر نہیں پوچھا کہ کہیں جانا تو نہیں ہے وہ خود ہی بول پڑی۔

"مجھے تائی اماں کی طرف چھوڑ دیں"

"کیوں۔" اٹزل نے اس کا سراپا جانچا اس کیوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا چائے پینے کے بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے ہارن بجانا شروع کر دیا امید دروازے لاک کر کے آ گئی رات کھانے کے بعد تائی نے بیٹے اور بہو کو روک لیا امید بہت خوش تھی قید سے رہا ہونے کا احساس تھا تب ہی تو سونے کے لیے جاتے ہوئے اس کے قدم من من بھر کے نہیں ہو رہے تھے خلاف توقع وہ جاگ رہا تھا اس کی نظریں دروازے کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں وہ صوفے پر جیسے ہی لیٹی وہ اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

"بیوی ہو تم میری مگر بیویوں والی کوئی ادا نہیں ہے تم میں یہ گز بھر کی چادر لپیٹے رہتی ہو جیسے میں نامحرم ہوں۔" اٹزل نے اس کے اوپر پڑی چادر اتار کر پھینک دی وہ پریشان ہو گئی۔

"میں نے تمہارے اس حسن کو خراج تحسین ہی پیش نہیں کیا کبھی حالانکہ تم اچھی خاصی فتنہ ہو۔" اٹزل کی نظریں اس کے آر پار ہونے لگیں۔

"میں بھی بہک سکتا ہوں اگر بہکنے کا سامان کردو۔" ازنل اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا بازو تھام لیا۔

"مت ہاتھ لگائیں مجھے۔" وہ تڑپ ہی تو گئی۔

"تمہاری ڈائریاں پڑھ چکا ہوں یہ اداکاری فضول ہے۔ ویسے بھی اب تم میری ملکیت ہو۔" ازنل نے اس کا ضبط آزمانے کو ملکیت جتانے کا عملی طریقہ استعمال کیا۔ وہ چیخ پڑی۔

"دور رہیں مجھ سے 'مت میرے قریب آئیں۔"

وہ چیختی چلی گئی' دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی ازنل گھبرا گیا امید نے بھاگ کر دروازہ کھولا' سامنے تائی اماں کھڑی تھیں۔

"تائی اماں یہاں کچھ ہے' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں اپنے بیڈ روم میں سوؤں گی۔" وہ ان سے لپٹ گئی۔

دوسرے روز امید نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا مگر تائی جان نے محبت سے اسے بھیج دیا۔

......*

ازنل نے اسٹور روم کا دروازہ بھڑا ہوا دیکھا تو لاک کر دیا۔ وہ چار پانچ روز کے لیے شہر سے باہر جا رہا تھا۔ چوکیدار شیر خان کو گھر کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔ آدھے گھنٹے بعد شیر خان نے گھر کا چکر لگایا تو سب لائٹس اندھیرا ہونے کے باوجود آف تھیں۔ وہ سمجھا کہ بیگم صاحبہ بھی نہیں ہیں۔ وہ مزے سے گیٹ لاک کر کے اپنے کوارٹر میں جا کر سو گیا۔

امید اسٹور روم میں سب چیزیں ترتیب سے رکھ رہی تھی۔ یہ اسٹور روم تہ خانے میں تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے بعد وہ فارغ ہو کر نکلنے لگی تو دروازے کو لاک پایا۔ ازنل نے شاید یہ سمجھا تھا کہ اندر کوئی نہیں ہے اس لیے دروازہ بند کیا تھا۔ امید کو خبر ہی نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے زور زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔ یہ وہی وقت تھا جب شیر خان اپنے کوارٹر میں آرام کے لیے جا چکا تھا۔ اس تک خاک امید کی آواز پہنچتی۔ رو رو کر اس کا حلق خشک ہو گیا۔

قریشہ مسلسل تیسرے روز بھی امید کا نمبر ڈائل کرتی رہی مگر وہاں سے کوئی فون اٹھاتا ہی نہیں تھا۔ ان سب نے پروگرام بنایا کہ خود ہی چلے چلتے ہیں۔ شیر خان اپنے کیبن میں تھا۔

"یار گیٹ تو کھلواؤ۔" عدی نے ہارن دیا تو اس نے حکم کی تعمیل کی۔ گاڑی رکتے ہی وہ ان کے قریب آیا۔

"صاحب بڑا صاحب تو شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ بیگم صاحبہ آپ کی طرف ہیں۔"

"گھاس تو نہیں چر گئے ہو۔ بیگم صاحبہ ہماری طرف ہوتیں تو ہم یہاں کیوں آتے اور یہ گھر کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں ایسے چھوڑ کر وہ جا سکتی ہیں۔ ہمیں تو تم پر شک ہو رہا ہے۔" اتنے میں قریشہ اور اقرا اندر چلی گئیں۔ دروازے یوں ہی بند ہوئے تھے۔ سب سامان بھی جوں کا توں تھا' پر وہ نہیں تھی۔ دونوں کا دل انجان سے خدشے سے کانپا۔ سامنے ٹیبل پر چابیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اقرا نے اسٹور روم کا دروازہ لاک دیکھا تو چابی تالے میں گھمائی۔ دروازہ کھلنے پر اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ زور زور سے چیخنے لگی۔

"قریشہ 'ربولی' عدی جلدی آؤ۔"

"الٰہی خیر۔" ان کے دل دہل گئے۔ امید کو دیکھتے ہی قریشہ کا بھی وہی حال ہوا۔ عدی اور ربولی نے ہمت سے کام لیا۔ دروازے کے ساتھ ہی وہ مڑی تڑی پڑی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور نبض رک رک کر چل رہی تھی۔ انہوں نے وقت ضائع کیے بغیر شاہ ولا فون کیا اور اسے ہاسپٹل لے گئے۔ شیر خان رو رو کر صفائیاں پیش کر رہا تھا کہ اسے کچھ پتا نہیں ہے۔ فواد شاہ امید کی یہ قریب المرگ حالت دیکھ کر پریشانی سے ہاسپٹل کے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ چوتھے دن اسے ہوش آیا تھا۔ ڈرپ لگی ہوئی تھی ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اگر آپ ایک گھنٹہ بھی لیٹ آتے تو مریضہ کا بچنا محال تھا۔ اس کا یہ حال خوف و تنہائی' بیچارگی اور نقاہت کی وجہ سے ہوا تھا۔ جونہی ڈاکٹرز نے کہا کہ اب آپ اسے مل سکتے ہیں' وہ سب بے تابی سے اندر داخل ہوئے تھے۔

"بیٹا اب کیا حال ہے۔" فواد دلسوزی سے بولے۔ وہ ابھی مکمل طور پر کسی کو پہچان نہیں رہی تھی۔

"ازنل مجھے مار دیں گے۔ میں اب اور نہیں جی سکتی، قسم خدا کی وہ مجھے مار دیں گے۔ مجھے بچالیں، میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔" وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنی نازک جان پر ٹوٹنے والا ہر ستم بتاتی چلی گئی۔ وہ بھی جو اسے نہیں بتانا چاہیے تھا۔ وہ ہوش و حواس میں تھی ہی کب جو ایسی نزاکتوں کا اسے دھیان ہوتا۔

......*

"میں نے تو تمہیں انسانی دودھ پلایا تھا۔ یہ درندوں والے اوصاف کہاں سے آگئے تم میں، تم نے اس لڑکی پر کون کون سا ظلم نہیں ڈھایا، مجھے شرم آرہی ہے۔ میں نے پیدا ہوتے ہی تمہارا گلا کیوں نہ دبا دیا۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

وہ آج پندرہ روز کے بعد لوٹا تھا، آتے ہی اس عجیب صورت حال سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ وہ چپ چاپ ماں باپ کی ڈانٹ سن رہا تھا۔

"اب وہ کہاں ہے۔" اس نے باپ کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"مرگئی ہے وہ، یہی چاہتے تھے ناں تم، اب آئندہ تمہاری زبان پر اس کا نام نہ آئے۔ مجھ سے، اس گھر سے اور اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ روز حشر میں بھائی اور بھابھی کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اب مہربانی کرکے یہاں سے چلے جاؤ۔" فواد رکھائی سے بولے۔

بعد میں ازنل نے کتنی بار معافی مانگی، اس معاملے میں اپنے بے قصور ہونے کا اعتراف کیا۔ پر فواد کا دل نرم نہیں ہوا اور امید کی طرف سے بھی ازنل کو پریشانی تھی۔ فواد نے تو لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا کہ "میں بہت جلد اس کی شادی کردوں گا۔ وہ اس گھر سے جیسی گئی تھی ویسی ہی ہے۔ کوئی بھی اچھا گھرانہ اسے قبول کرلے گا۔" وہ حیران ہوا کہ انہیں کیسے پتا چلا کہ ازنل کا اس کے ساتھ یہ رویہ تھا۔ اس کے بعد اسے ماں باپ سے آنکھ ملانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، ہاں اس نے اتنا ضرور کہا تھا۔ "میں امید کو کسی قیمت پر بھی آزاد نہیں کروں گا۔"

"میاں صاحبزادے عدالت میں آنا۔" وہ کہیں سے بھی ایک مشفق باپ نہیں لگ رہے تھے۔ اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ سے گھبرا کر وہ امید سے بدلہ لینے لگا تھا۔ بدعہدی کا ناگ ڈسے جاتا تھا۔ وہ روشان کی نگاہوں سے گر گیا تھا۔ گھر والوں کی نگاہ میں بے اعتبار ٹھہرا تھا۔ باپ نے تو اسے بددیانت اور منافق تک کہا تھا اس نے بڑی صاف ستھری زندگی گزاری تھی، اب انا پہ یوں چوٹ پڑی تو بلبلا اٹھا مردانگی کا سارا غرور خاک میں مل گیا جب روشان اسے انگوٹھی واپس کر گئی تو وہ فوراً اس کے پاس پہنچا۔

"روشان تم غلط فہمی کا شکار ہو۔ میری ساری کمٹمنٹ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ لڑکی اپنے رویے کی خود ذمہ دار ہے۔" اس نے رسان سے اسے سمجھانا چاہا۔

"غلط فہمی کا شکار میں پہلے تھی، اب روشنی میں آئی ہوں۔ تم شیخوپورہ میں بھی ہر وقت اس کا ذکر کرتے تھے۔ یوں لگتا تھا وہ دور رہ کر بھی تمہارے پاس ہے۔ اس وقت وہ بچی تھی تو تمہاری محبت کا یہ حال تھا اب تو وہ بڑی ہوگئی ہے۔ بے شک تم سے کافی چھوٹی ہے، پر ہے تو خوبصورت۔ میری اگر تمہارے ساتھ شادی ہوجاتی تو میں جل جل کر ہی مرجاتی۔ وہ میری رقیب ہے، سمجھے، میں محبت میں شراکت برداشت نہیں کرسکتی اور وہ جو دیوانوں کی طرح تمہیں چاہتی ہے، تم نے خود منگنی کے بعد اعتراف کیا تھا کہ یوں لگ رہا ہے جیسے اندر ہی اندر کوئی چیز اسے مار رہی ہے، وہ تم سے کترائی کترائی رہتی ہے۔ سیدھے منہ بات نہیں کرتی ہے۔ کتنا دکھ تھا ناں تمہیں اس بات کا کہ وہ تمہیں ہاسپٹل دیکھنے نہیں آئی ہے اور جب میں خود تمہارے گھر آئی ہوئی تھی۔ اس نے جس جنون کے عالم میں اپنی اور تمہاری تصویر پھاڑی تھی۔ اس نے سوئٹر نہیں پہنا تو تم اس کے پاس پہنچ گئے اپنی جیکٹ لے کر۔ تم اچھی طرح جان گئے تھے کہ وہ اپنے رد عمل کا اظہار کر رہی ہے۔ تمہاری زندگی میں کسی اور کا شامل ہونا اسے گوارا نہیں ہے۔ اس کی ڈائری کا ورق ورق اس کی جنونی محبت کا گواہ ہے۔ ماں باپ کی وفات کے بعد تم ہی اس کے سب سے زیادہ قریب تھے، تبھی تو تمہارے گھر والوں نے اس کے پاگل پن کا توڑ کرنے

کے لیے اسے ہوسٹل بھجوا دیا۔ یہی ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ اس کے احساسات میں تبدیلی کی بہت بڑی لہر آئی۔ سینئر کیمرج کرتے ہوئے۔" اس نے ڈائری میں ایک جگہ لکھا ہے کہ

"ازل نے مجھے آخری بار شیخوپورہ جاتے ہوئے جو فراکس دلوائے تھے' وہ ڈھائی سال پہلے ہی چھوٹے ہوگئے ہیں۔ میں نے ان کی ایک ایک چیز کو سنبھال کر رکھا ہے۔ انہوں نے اپنے بالوں کی جو لٹ مجھے بہلانے کے لیے کاٹ کردی تھی' وہ میرے پاس رکھی ہوئی ہے۔ مجھے پتا ہے اسے جلانے سے وہ آنہیں جائیں گے اس لیے میں نے اسے رکھ دیا ہے۔ ایگزامز میں صرف ایک ماہ رہ گیا ہے اس کے بعد میں واپس چلی جاؤں گی اور ان سے میری ملاقات ہوگی۔ پتا نہیں اب میں پہلے کی طرح ان سے مل پاؤں گی کہ نہیں۔ میرا قد پانچ فٹ دو انچ ہوگیا ہے۔ میں اب بھی کبھار دوپٹہ بھی گلے میں ڈال لیتی ہوں۔ میرے بال کمر تک آگئے ہیں۔ جب میں ان سے ملوں گی تو بال کھول لوں گی۔ میری فرینڈ صنوبر کہتی ہے کہ کھلے بالوں میں' میں بہت اچھی لگتی ہوں۔"

"تو ازل شاہ اسے اپنے ہونے کا احساس ہوگیا تھا۔" یہ ایک جوان ہوتی لڑکی کی سوچیں تھیں اور جب وہ تم سے ملی تو اس دن کا اس نے یوں احوال لکھا ہے۔ "مجھے یوں لگا کہ میں جیسے چار صدیوں کے بعد انہیں دیکھ رہی ہوں۔ میرے اندر ہمت ہی نہیں ہوئی کہ چھ سات سالہ بچی کی طرح بھاگ کر ان کے گلے لگ جاؤں۔ وہ بھی جھجک گئے تھے۔ میں اب چھوٹی تو نہیں تھی ناں کہ وہ بے تابی کا اظہار کرتے۔ رات کو وہ میرے کمرے میں آگئے۔ مجھے ایکدم ان سے بے تحاشا شرم محسوس ہونے لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میرا اندر پڑھ رہے ہیں۔"

"ازل اس نے تمہارے لمحے لمحے کا حساب رکھا ہے۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے لیے مناسب ترین ہے۔" روشان بولی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"کسی نے مجھ سے بھی پوچھا ہے کہ تمہاری کیا رائے ہے' خود ہی نتائج اخذ کیے جارہے ہیں۔ میرے لیے بس وہ ایک بچی ہے' دیٹس آل" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"ازل وہ بچی اب بڑی ہوگئی ہے۔ تمہاری شخصیت میں اس کے لیے بے پناہ اٹریکشن اور پر اسراریت ہے۔ الف لیلوی داستانوں کی طرح' مجھے امید ہے کہ تم اس کے ساتھ خوش رہو گے۔"

"روشان کچھ بھی ہو مجھے تمہارے ساتھ ہی شادی کرنی ہے۔" وہ مضبوطی سے بولا۔

"مگر میں نے تمہارے ساتھ نہیں کرنی' اب تو بالکل نہیں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"روشی تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو' میں اس کے لیے یوں نہیں سوچ سکتا۔ فرض کیا سوچ بھی لوں تو وہ میرے احساسات کی تہ تک نہیں پہنچ سکے گی۔ میری شخصیت میں شاید اسے اپنا باپ نظر آتا ہے' اس کی محبت میں بھی یہ رنگ نمایاں ہوگا۔ کتنی آکورڈ صورت حال ہوگی' میں بہ حیثیت ایک شوہر کی نظر سے اسے دیکھ ہی نہیں پاؤں گا۔"

"ہر لڑکی کا آئیڈیل اپنے باپ کی خصوصیات سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ وہ آئیڈیل میں اپنے باپ والی خوبیاں دیکھنا چاہتی ہے اور امید کا باپ تو اس کے عالم ہوش سے پہلے ہی وفات پاچکا تھا۔ تم ہی اس کا آئیڈیل ہو اور شادی کے بعد وہ خود بخود تمہارے احساسات کی تہ تک پہنچ جائے گی۔ تم اسے ایک مرد کی نظر سے دیکھو تو تمہیں علم ہوگا کہ اس کی ذات میں بہت متوجہ کرنے والی کشش ہے۔ اسلام میں منہ بولے رشتوں کی حقیقت نہیں ہے۔ منہ بولے بھائی' ماموں' چچا سے شادی حرام نہیں ہوجاتی۔ تم صرف اس کے کزن ہو۔ وہ بہت پاگل سی لڑکی ہے۔ ہوسکتا ہے ناکامی میں آکر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھالے۔ تم اسے دکھ میں نہیں دیکھ سکتے لکھوا لو مجھ سے۔" وہ اس کی کوئی بات بھی نہیں سن رہی تھی پھر ازل نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس نے ازل کو توڑ پھوڑ دیا' اس کی جون ہی بدل ڈالی۔ اس نے امید کے خیالی ہیولے سے وعدہ کیا کہ اسے اب مرد بن کر دکھائے گا۔ وہ مرد جس سے امید جیسی بے وقوف لڑکی شدید محبت کرتی ہے۔ وہ دیکھے گا کہ وہ اسے

کس حد تک قبول کرتی ہے۔ اس نے امید کو قبول کرلیا تھا۔ روشان کے کہنے کے مطابق اسے خالصتاً" مرد کی نظر سے دیکھا تھا۔

برائیڈل ڈریس میں ملبوس قیمتی جیولری پہنے پھولوں سے مزین پرفیوم اور مہندی سے آراستہ وہ یقیناً" اسی کے لیے سجی تھی۔ اس کی خوبصورتی کو وہ شروع سے دیکھتا آرہا تھا۔ آج اس کے شعلہ سامان فتنہ انگیز حسن کی چھب ہی نرالی تھی۔ یقیناً" وہ کسی بھی زاہد خشک کی برسوں کی ریاضت کو پانی کرسکتی تھی۔ ابھی بہاروں کا سفر مکمل نہیں ہوا تھا تو یہ حال تھا بعد میں جانے کیا ہوتا۔ ارتزل کے اندر جیسے کسی درندے کی روح حلول کرگئی تھی۔ اسے اپنی پارسائی و مضبوطی پر بہت ناز تھا۔ اس کی ہستی کا سارا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ اس نے جب غصے سے اس کی گردن دبوچی تو اسے بالکل بھی ملال نہیں ہوا۔ اسے جلا کر، ستا کر ارتزل کی مردانگی کو بڑا سکون ملتا۔ وہ اس پہ حاوی ہورہی تھی۔ اس نے اپنا استحقاق پہلی بار استعمال کرنا چاہا تو اس کی طرف سے شدید ری ایکشن ہوا۔ فخر و ناز کا بت دھڑام سے گرا تھا۔ ارتزل کے اس رویے سے وہ ہرٹ ہوگئی تھی۔ آج وہ سود و زیاں کرنے بیٹھا تو احساس ہوا کہ وہ اسے توڑ پھوڑ کر غائب ہوگئی ہے۔ سات مہینے ہوگئے تھے اسے گئے ہوئے۔ شاہ ولا کے دروازے ارتزل پر بند ہوگئے تھے۔ ارتزل کے وجود کو وہ جیسے گرم گرم پچھتاووں کی بھٹی میں دھکیل گئی تھی۔ جہاں وہ دن رات جل رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ اس نے امید کے ساتھ اتنی سنگ دلی سے کام لیا ہے۔ خیالات تو اس کے بدل ہی چکے تھے۔ وہ اب ازالہ کرنا چاہتا تھا جس کی صورت فی الحال دور دور تک نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

----*

جب بھی رات کو گھر آتا ہوں
اپنے دروازے پہ دستک دیتے لمحے
اکثر میری سوچ یہ مجھ سے کہتی ہے
آج تو دروازہ کھولے گی
مجھ کو دیکھ کے مسکائے گی
میرا ماتھا چومے گی
شرمائے گی
گھر میں داخل ہوتے ہی
میں بھی کوئی شرارت کردوں گا
تو خود میں سمٹ کر رہ جائے گی
میں بھی کتنا پاگل ہوں ناں
کیا کیا سوچا کرتا ہوں

آفس سے آتے ہی اس پہ بے چینی سوار ہوگئی۔ ہمیشہ کی طرح شیر خان نے گیٹ کھولا تھا۔ گھر کے کام کاج کے لیے اس نے ادھیڑ عمر کل وقتی ملازمہ رکھ لی تھی۔ فریش ہوتے ہی وہ اس کے لیے چائے لے آئی۔ اسے امید یاد آگئی، جھکی جھکی پلکوں کے ساتھ جب وہ اسے چائے پیش کرتی تو پیالی اس کے ہاتھ میں لرز رہی ہوتی تھی۔ جیسے وہ گرم گرم چائے اس کے اوپر پھینک دے گا۔ وہ اتنا ظالم جو ہوگیا تھا۔ کم عمری کے باوجود اس میں شدید احساس ذمہ داری تھا۔ وہ اس کے کپڑوں، جوتوں، چائے، کھانے پینے کا خاص دھیان رکھتی۔ نئی دلہن ہونے کے باوجود وہ اسے کہیں بھی گھمانے پھرانے نہیں لے کر گیا اور نہ اس نے فرمائش کی۔ رات وہ کبھی ایکدم جو اس کے کمرے میں چلا جاتا تو وہ خوفزدہ ہرنی کی مانند ہوجاتی۔ رنگ زرد پڑ جاتا، ایسے میں ارتزل کو بڑا لطف آتا۔

چائے پیتے ہی وہ گاڑی لے کر نکل آیا۔ یوں ہی بے دھیانی میں وہ شہر سے کافی دور نکل آیا تھا۔ ایک صاف ستھری پختہ سڑک کے کنارے بورڈ لگا ہوا تھا۔ "کرنل خان فارمز" یہ کسی کی ذاتی سڑک تھی۔ وہ گاڑی موڑنے لگا۔ آگے سے اور گاڑی آرہی تھی۔ گاڑی یوں ہچکولے کھا رہی تھی جیسے اناڑی ڈرائیور کے قبضے میں ہو۔ اسے یوں لگا کہ وہ کسی بھی وقت اتر کر کھیت میں گھس سکتی ہے یا اس کی گاڑی کے ساتھ ٹکرا سکتی ہے اور ہوا بھی یہی۔ گاڑی مست ناگن کی طرح لہراتی سبزیوں کے کھیت میں گھس گئی۔ ہنسنے کی آواز آرہی تھی۔ گاڑی کا ڈرائیور باہر نکلا وہ دو لڑکیاں تھیں، ارتزل کی طرف ان کی پشت تھی۔ وہ دونوں پیچھے مڑیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کو دیکھ کر زمین آسمان

جیسے پوری قوت سے اس پر آپڑے۔ وہ سوفی صد امید تھی۔ ارتزل نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور تیز رفتاری سے اس کی طرف بڑھا۔

"امید کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ میں نے تمہیں ہر جگہ تلاش کیا ہے۔" اس نے سختی سے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔ وہ دونوں چیخنے لگیں۔

"چھوڑ دو مجھے، یہ تو کوئی پاگل لگتا ہے۔ پلیز ہیلپ می۔" اس کی آواز دور دور تک گونجتی چلی گئی۔ تھوڑی دیر ہی گزری ہوگی کہ دوڑتے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ دو خوفناک صورت اسلحہ بردار اس کے سر پر آپہنچے۔

"چھوڑ دو بی بی کو۔" دونوں کے ہاتھ شانوں پر لٹکی گن کی طرف بڑھے۔

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔" ارتزل نے پروا کیے بغیر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ سرد سی گن کی نال اس کے سر سے آلگی۔ اس نے بے اختیار گہری سانس لی۔ وہ اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"کون ہو تم اور کرنل صاحب کی جاگیر میں بلا اجازت کیوں گھسے ہو۔" گن بردار اس کی قیمتی گاڑی اور کپڑوں سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

"یہ میری وائف ہے۔ میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" وہ پوچھ گچھ کو خاطر میں ہی نہیں لایا۔

"وائف...... ہوش میں تو ہیں آپ، چندا کی تو ابھی منگنی بھی نہیں ہوئی ہے۔" دوسری لڑکی کڑک کر بولی۔

"مگر ان کی شکل ہو بہو میری وائف سے مل رہی ہے۔ کہیں تو آپ کو تصویر دکھاؤں۔ میری پاکٹ میں موجود ہے۔" وہ جیب ٹٹولنے لگا۔ ان چاروں افراد نے بڑے اشتیاق سے تصویر دیکھی۔ وہ لڑکی چندا تو بہت حیران ہوئی۔ بیلا نے وہیں کھڑے کھڑے اس ٹریجڈی کا سیاق و سباق پوچھ لیا۔

"آئیں آپ کو اپنے انکل اور چندا کے ڈیڈی سے ملواؤں۔ وہ بہت حیران ہوں گے۔" وہ پس و پیش کیے بنا ان کے ساتھ ہو لیا۔

کرنل خان بڑے صحت مند ریٹائرڈ آفیسر تھے۔ عادت کے مطابق بہت جلد اس سے بے تکلف ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ چندا ان کی اکلوتی اولاد ہے۔ بیلا ان کے بھائی کی بیٹی تھی۔ ماں نہیں تھی۔ باپ فرانس میں تھا اپنی انگریز بیوی کے ساتھ۔ کرنل خان نے ہی اسے پالا تھا۔ بیلا کی طرح چندا کی ماں بھی نہیں تھی۔ چند روز میں ہی وہ اس گھرانے کے بے حد قریب ہو گیا۔ چندا کی ساری عادات کم و بیش امید سے ملتی جلتی تھیں۔ وہی بے صبری و جلد بازی، قدرے احمقانہ سی خود سری۔ ارتزل کو پورا یقین تھا کہ وہ امید ہی ہے۔ اسے چندا کو یہی باور کرانا تھا۔ بظاہر تو اسے ارتزل کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کا افسوس تھا۔ وہ اسے امید کو تلاش کرنے کے نئے نئے مشورے بھی دیتی۔

وہ اکثر چلا جاتا۔ کرنل خان کے ساتھ شطرنج کی بازیاں بھی ہوتیں۔ بیلا کے ہاتھ کی بنی نئی نئی ڈشز بھی چکھنی پڑتیں۔ وہ اکثر ان دونوں کے ساتھ رائیڈنگ کے لیے چلا جاتا۔ چندا آج نئے آنے والے گھوڑے پر سوار ہوئی تھی۔ اس نے ابتدا ہی سے اپنے سوار کو کینہ توز نگاہوں سے گھورا اور سرپٹ دوڑ پڑا۔ بیلا کے تو حواس ہی ساتھ چھوڑ گئے۔

"پلیز ارتزل صاحب کچھ کریں، را کی اسے گرا دے گا۔" ارتزل نے فوراً اپنے گھوڑے کو اور بھی تیزی سے دوڑانا شروع کر دیا۔ بیلا اور راس کا گھوڑا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ چندا مسلسل چیخ رہی تھی اسے اپنی موت کا سوفی صد یقین ہو چکا تھا۔ سڑک کے بعد شروع ہونے والا پل ٹوٹا ہوا تھا۔ گھوڑا لحہ بہ لحہ ٹوٹے پل سے قریب ہوتا جا رہا تھا اس نے کلمہ پڑھا اور آنکھیں بند کر لیں ارتزل نے اپنا گھوڑا اس کے گھوڑے کے قریب کیا اور پھر رسک لیتے ہوئے اسے جھٹکے سے را کی کی پیٹھ سے اتار لیا۔ وہ اب اس کے گھوڑے پر آچکی تھی۔ ارتزل نے نرمی سے گھوڑے کی پیٹھ تھپتھپائی۔ وہ فوراً رک گیا۔ چندا اس کے سینے سے لگی کانپ رہی تھی۔ اس کا تنفس ابھی تک معمول پر نہیں آیا تھا۔

"ایزی، امید آنکھیں کھولو تم بالکل محفوظ ہو۔" پھر ارتزل نے نوٹ کیا کہ وہ اس کے امید کہنے پر بالکل نہیں چونکی۔ اتنے میں بیلا بھی آگئی۔ وہ جھینپ کر گھوڑے

سے اتر گئی۔

"تھینکس گاڈ! تم زندہ ہو۔ اگر ازنل نہ ہوتے تو جانے کیا ہوتا۔" وہ ممنون نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تو اپنی امید کو بچایا ہے۔" وہ ذو معنی انداز میں بولا۔

"پر یہ کسی اور کی امید ہے۔" بیلا مسکرائی۔

"بات ایک ہی ہے۔" وہ بولا تو اس نے بحث کا سلسلہ ملتوی کر دیا۔

اس روز وہ خان فارمز پر آیا تو کرنل خان اور چندا دونوں نہیں تھے۔ ملازم نے بتایا کہ "چھوٹی بی بی سو رہی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں میں انتظار کر لیتا ہوں۔" وہ میگزین اٹھا کر نشست گاہ میں ٹک گیا۔ ویسے اسے اس کے سونے پر حیرت ہو رہی تھی۔ مغرب ہونے والی تھی۔ موسم بھی اچھے تیوروں والا نہیں تھا۔ بادلوں نے ویسے ہی اندھیرا کر رکھا تھا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد سوئی سوئی خمار آلود آنکھوں کو ملتی وہ وہیں آ گئی' بال بھی یوں ہی بکھرے ہوئے تھے۔

"ڈیڈی تو گھر پر نہیں ہیں۔ بیلا بھی ان کے ساتھ گئی ہے' دیر سے آئیں گے نو بجے کے بعد۔"

"آپ تو ہیں ناں۔" وہ اس کے بے نیاز سراپے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ اتنے میں بارش کی موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔ وہ چائے کا کپ اٹھا کر دریچے کے پاس آ گیا۔ بہت دیر دونوں میں خاموشی رہی پھر ازنل بولا۔

"میری کہانی سنیں گی۔" وہ نظریں موڑے بغیر بولا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں نے اسے پہلی بار جھولے میں دیکھا تھا۔ میں نے اس کے گال چھوئے تو وہ مسکرائی۔ مجھے اس کے گلابی پتلے پتلے ہونٹ' پھولے پھولے رخسار' موٹے ہاتھ پاؤں اور ننھا سا وجود بہت غیر معمولی لگ رہا تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔ حالانکہ مجھے بچوں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ کالج میں نیا نیا آیا تھا' واپس آتے ہی اس کے کارٹ کی طرف دوڑتا' پھر اس نے توتلی زبان سے پہلا نام میرا ہی لیا۔ میں اس کے ہاتھ پکڑ کر اسے چلانے کی کوشش کرتا اور جب اس نے پہلا قدم اٹھایا تو میں نے اپنی پاکٹ منی چپکے سے خیرات کر دی۔ جب انکل اور آنٹی فوت ہو گئے تو وہ مکمل طور پر مجھ پر انحصار کرنے لگی۔ لکھنا پڑھنا سیکھا تو ٹوٹے پھوٹے خط میں پہلی دفعہ میرا نام لکھا۔ میں دیکھ کر بہت ہنسا۔ اس نے میرے نام کا حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا۔ ت کے بجائے ط سے میرا نام لکھا۔ میں خود ہی اسے اسکول چھوڑنے اور لینے جاتا۔ وہاں کوئی بچہ اس سے لنچ یا پیسے چھین لیتا' کاپی لے لیتا' کتابیں پھاڑ دیتا تو وہ میرے پاس دوڑتی ہوئی آتی حالانکہ گھر میں اور افراد بھی تھے جو اسے ٹوٹ کر چاہتے مگر وہ اپنی ہر ضرورت کے لیے میری طرف ہی دیکھتی۔ مجھے یوں لگتا اگر میں ایک پل کے لیے بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو اس کی سانسیں بند ہو جائیں گی۔ رات کو میں جب تک اسے سینے پر لٹا کر کہانی نہ سنا لیتا' اسے نیند ہی نہیں آتی۔ اگر میں بیمار ہو جاتا تو وہ بے قرار ہو جاتی پھر اسے دلہن بننے کا شوق ہوا اور کہا کہ میں آپ کی دلہن بنوں گی۔ میں ایم ایس سی کر کے سی ایس ایس کے ایگزامز کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی بات کو خاص اہمیت نہیں دی۔ اس کا دولہا بن گیا۔ اس نے اس موقع کی تصویر اپنی ٹیچرز کو بھی دکھائی۔ وہ گھر پر چلی آئیں۔ میں نے بہت انجوائے کیا شاید یہی میری غلطی تھی۔ اس کی بے پایاں محبتیں سمیٹ کر میں خود کو خدا سمجھنے لگا تھا۔ مجھے یوں لگتا کہ جیسے وہ میری تخلیق ہے' میں نے خود اس میں رنگ بھرے ہوں۔ یہ احساس ہی کتنا دلکش تھا۔ میں ہواؤں میں اڑا پھرتا پھر میں اس سے جدا ہو گیا۔ آئی مین جاب کے سلسلے میں' ہر سال عید' سالگرہ اور نئے سال کے موقع پر وہ مجھے وش کرنا نہیں بھولتی تھی۔ میرے شیخوپورہ جاتے وقت وہ بہت روئی تھی۔ میں بھی خالی خالی سا رہتا جیسے گھر پر ہی کچھ چھوڑ آیا ہوں۔ بے قراری سے فون کرتا' گھر والوں نے روک دیا وہ ڈسٹرب ہو جائے گی پھر چار سالوں کے بعد میں گھر لوٹا تو وہ آ چکی تھی۔ فراک اور نیکر کے بجائے وہ قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی دو پونیوں کی

جگہ لہراتے کمر تک بال تھے۔ سب سے بڑھ کر اس کی آنکھوں کا تاثر تھا جو مجھے دیکھ کر لرزیں، جھکیں اس نے دور ہی سے میرا حال پوچھا۔ میں نے بھی اپنی بے قراریوں پر قابو پالیا۔ ایک دن وہ بیمار ہو گئی۔ دوا ہی نہیں پی رہی تھی۔ میں نے زبردستی اسے دوا پلائی۔ اس کے قریب ہوا تو اس نے اپنا بدن چرالیا۔ مجھے پہلی بار یوں لگا کہ جیسے وہ نامحرم ہے۔ اس کی بدن چرانے کی ادا بھرپور حیادار دوشیزہ کی سی شگفتگی سمیٹے ہوئے تھی۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ میں نے بہت جلد اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو پکڑ لیا اور پھر بھی نظر کا دھوکا سمجھتا رہا۔ وہ پہلے کی طرح میرے پاس نہیں بیٹھتی تھی، نہ زیادہ باتیں کرتی بلکہ میری طرف تو وہ پلکیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔" بولتے بولتے وہ خاموش ہو گیا۔

پھر ایکدم وہ لہجہ بدل کر بولا۔ "امید وہ واقعہ یاد ہے جب تم نے میرے اوپر سوپ گرایا تھا۔"

"ہاں آں، نن نہیں۔" وہ بالکل ہی گڑبڑا گئی۔

"میرا نام امید نہیں چندا ہے بتایا تو ہے آپ کو۔" وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

"جتنے نام مرضی بدل لو، رہو گی تو ارتزل کی امید ہی، نئی زندگی کا سراغ۔" وہ دریچے سے ہٹ آیا۔ چائے کپ کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"میرے ساتھ چلو گی یا مجھے ہی اٹھا کر گاڑی تک تمہیں پہنچانا پڑے گا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ، ہوش میں ہیں۔ میرے ڈیڈی یا ملازموں کو پتا لگا ناں تو آپ کو گولی مار دیں گے۔"

"تم میری بیوی ہو، میں اپنی بیوی کو لے کر جاؤں گا۔ دنیا کے کسی قانون میں نہیں ہے کہ شوہر بیوی کو لے جا رہا ہو تو اسے گولی مار دی جائے۔"

"آپ نے کیا بیوی بیوی کی رٹ لگائی ہوئی ہے۔ میں مزید بکواس برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ غصہ ہو گئی۔

کیا سمجھے ابھی وہ کیا آداب محبت ہیں
کم کم سا لڑکپن ہے کم کم سی جوانی ہے

"بہت معصوم ہو۔ یہ نزاکتیں تمہیں گھر چل کر بتاؤں گا۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"اب آپ چلے جائیں۔" وہ اس کی بات بالکل نہیں سمجھی۔

"اچھا پھر آؤں گا تمہیں لے جانے کے لیے۔ ڈیڈی سے بھی ملوں گا اور پوچھوں گا کہ میرے اوپر اتنی بے اعتباری کیوں ہے۔"

رات بیلا کو اس نے ایک ایک بات بتا دی۔

"تھینکس گاڈ مجھے تو تمہاری کشتی پار لگتی نظر آ رہی ہے۔ انکل نے تمہیں یہاں بھیج کر بہت اچھا کیا ہے۔ وہ تو کہہ رہے تھے کہ تمہیں اٹھارہ سال کا ہونے سے پہلے ہرگز ارتزل کے پاس نہیں بھیجیں گے مگر مجھے تو لگ رہا ہے کہ وہ تمہیں اٹھا کر لے جائے گا۔" بیلا نے اسے گدگدی کی تو وہ شرما گئی مگر پھر فوراً ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو یہ سب خواب لگ رہا ہے۔ مجھے ان کا وہ تذلیل آمیز انداز نہیں بھولتا ہے۔"

"چھوڑو بھی اب وہ گزشتہ باتیں۔ ذرا سوچو نئے سال کا استقبال کیسے کریں۔ صرف دو دن رہ گئے ہیں۔ چلو ایسا کرتے ہیں کہ اکتیس دسمبر کو ٹھیک بارہ بجے تمہیں ارتزل بھائی کے حوالے کر دیں گے۔ آخر ان کے بھی ارمان ہوں گے۔ ویسے بھی انہوں نے کافی سزا بھگت لی ہے۔" بیلا نے شریر نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

......*

"امید اٹھو میرے ساتھ چلو، ہری اپ۔" وہ آج پھر کرنل خان کی غیر موجودگی میں آیا تھا۔

"آپ ہوتے کون ہیں مجھے حکم دینے والے۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"گھر چل کر بتاؤں گا کہ میں حکم دینے والا کون ہوتا ہوں۔ مجھے ضدی لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔ کل نیا سال شروع ہو رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سال وہ غلطیاں نہ دہرائی جائیں جو ہم کر چکے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ مل کر نئے سال کی نئی صبح کو خوش آمدید کہنا چاہتا ہوں۔" ساتھ ہی ارتزل نے اسے کسی ہلکی پھلکی گڑیا کی طرح اٹھا لیا۔ امید نے اپنے لمبے لمبے

ناخنوں سے اسے کھسوٹ ڈالا مگر اس نے اسے گاڑی تک لاکر ہی دم لیا۔

"دیکھ لوں گی آپ کو اگر انکل گھر ہوتے تو دیکھ لیتے، شوٹ کر ڈالتے۔ یہ ملازم بھی جانے کہاں مر گئے ہیں۔" وہ بولتی رہی مگر اتزل دانت پر دانت جمائے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ شیر خان نے گیٹ کھولا اور امید کو اس کے ساتھ دیکھ کر دور سے ہی سلام جھاڑا۔ ادھیڑ عمر ملازمہ بھی ایک نئی صورت کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ اتزل نے بتایا یہ تمہاری مالکن ہیں۔ وہ بے چاری دانت پیستی، مٹھیاں بھینچتی مالکن کو دیکھ کر سمجھی کہ شاید اس کی چھٹی ہونے والی ہے۔ اتزل نے اسے بتایا کہ وہ رات کا کھانا تیار نہ کرے۔ وہ دونوں باہر کھائیں گے۔ وہ خیر منانی چلی گئی۔ جانے سے پہلے مالکن نے حکم دیا کہ "میرے سامنے رہو۔" اتزل نے کہا کہ "تم جاؤ۔" وہ کش مکش سے بچتی اپنے کوارٹر میں بھاگ گئی۔

اتزل نے اندر آکر کرنل خان کا نمبر ڈائل کیا۔ ان کی موجودگی ملازم نے کنفرم کردی۔ اس نے یہ بتا کر فون بند کردیا کہ "وہ امید عرف چندا کو لے آیا ہے اور اس سے ساری کہانی پوچھ لے گا۔ آپ نے میرے خلاف جو کارروائی کرنی ہے کرڈالیں۔" انہیں اتزل سے اس تیز رفتاری کی امید ہرگز نہیں تھی۔ وہ ہیلو ہیلو ہی کرتے رہ گئے۔ اس نے ریسیور کریڈل سے نیچے رکھ دیا اور موبائل بھی آف کردیا۔ اب اسے فواد شاہ کا انتظار تھا۔ اندر بیٹھا ایک گھنٹے تک ان کی راہ تکتا رہا۔

"شاید اسلحے سے لیس ہو کر آئیں۔" اس نے تلخی سے سوچا اور ساری لائٹس جلاتا باہر آگیا۔ امید برآمدے میں اسی پوزیشن میں تھی جس میں وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کا شروع سے یہی طریقہ تھا جب کسی سے ناراض ہوتی تو منہ پھلا کر بیٹھ کر ہاتھوں کے کٹورے میں چہرا تھامے آلتی پالتی مارلیتی پھر لاکھ کوئی اسے بلاتا، اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی۔ ہاں جب وہ تھک جاتی تو جاکر سو جاتی۔ ناراض ہونے والا منانے کے طریقے ہی سوچتا رہ جاتا۔ صبح وہ ہشاش بشاش سب سے ہنس ہنس کر بات کر رہی ہوتی۔ جیسے ناراضگی تھی ہی نہیں مگر اس وقت ایسا ہونے کا امکان نہیں تھا، وہ شدید ناراض تھی۔

"آؤ اندر چلو، باہر بہت سردی ہے۔" اتزل اس کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا۔

"جی شکریہ، آپ چلے جائیں مجھے جب آنا ہوگا آجاؤں گی۔" بالکل اجنبیوں والا انداز تھا۔ اتزل نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے زبردستی کھڑا کیا تو اس نے بیزاری سے ہاتھ چھڑا لیا اور دھم دھم کرتی لاؤنج میں چلی گئی۔ اتزل بھی آگیا۔

"آپ مجھ سے مت بات کریں، نہ بلائیں۔" امید نے ہاتھ اٹھا کر وارننگ دی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کھول لیا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

"میں اس لیے خاموش ہوں کہ واقعی قصوروار ہوں۔" کتنی دیر بعد وہ بولا۔

"قصوروار آپ نہیں میں ہوں۔ صرف میں، جانے آپ کو کیا سمجھ بیٹھی۔ شکر ہے کہ مجھے عقل آگئی ہے۔ آپ کا بت جو بہت پہلے سے میرے دل کے معبد خانے میں سجا ہوا تھا، وہ ٹھیک آج سے ایک سال پہلے اسی روز، اسی گھر میں ٹوٹ پھوٹ گیا جب آپ نے اپنا اصل روپ دکھایا۔ آپ کے وہ لفظ میں بھول نہیں پاؤں گی جب آپ میری شکل نہیں دیکھنا چاہتے تو مجھے تلاش کیوں کر رہے تھے۔ اکیلے گھر میں بند کرکے مجھے مارنا چاہتے تھے ناں۔ پر اوپر والے کو میری زندگی منظور تھی میں بچ گئی۔ اس وقت کی اذیت، بے بسی و بیچارگی تا عمر یاد رہے گی اور آپ کی نفرت بھی۔" بولتے ہوئے اس کا لہجہ بھیگا اور نہ ہی لڑکھڑایا۔ وہ واقعی سمجھ دار ہو گئی تھی۔ بڑی بڑی باتیں کرنے لگی تھی۔ محبت اور نفرت کے مابین فرق کرنا سیکھ گئی تھی۔ ناراض ناراض سی امید کو اتزل نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

"چھوڑ دیں مجھے، جب وہ برائیڈل ڈریس پہننے کے لائق نہیں ہوں تو محبت کے قابل بھی نہیں ہوں۔"

"تمہیں کیا پتا کہ تم تو صرف اور صرف اتزل کے پیار کے قابل ہو۔ بچپن سے ہی بلا شرکت غیرے حقدار رہی ہو۔ اب بھلا میں کسی اور کی طرف کیسے دیکھ سکتا ہوں کیونکہ میری جان تو تم میں ہے۔ میں نے

اس اتزل کو توڑ پھوڑ کر بنایا ہے۔ صرف تمہاری خاطر‘ تمہاری چاہتوں کے لیے‘ تمہاری معصومیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ تمہارے جذبات مجروح نہ ہوں۔"

اس نے نرمی سے امید کے رخسار چھوئے تو اس نے سختی سے اتزل کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"مجھے نفرت ہے آپ سے۔ مت یہ ڈرامے کریں۔" وہ مضبوطی سے بولی۔

"میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو۔" اس نے بغور امید کا چہرہ جانچا۔ اس کے ہونٹ لرزے‘ کانپے اس نے پھر ہمت دکھائی‘ اس کی آنکھوں میں جیسے سیلاب امڈ آیا۔

"مجھے آپ سے‘ مجھے آپ سے......" وہ یوں ہانپنے لگی جیسے میلوں دور سے بھاگتی آرہی ہو۔ وہ پوری توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دو تین بار اس کے ہونٹ کھلے‘ لرزے اور آنکھوں سے سمندر بہہ نکلا۔ "مجھے آپ سے محبت ہے‘ محبت ہے‘ محبت ہے۔ سنا آپ نے‘ اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی مجھے آپ سے محبت ہے۔" اس نے اس شدت سے اتزل کی شرٹ کی آستین تھامی کہ ہاتھوں کی سبز سبز رگیں نمایاں ہوگئیں۔ نازک سا جسم مسلسل جھٹکے کھا رہا تھا۔ اتزل نے بے قراری سے اسے خود میں سمولیا۔

ان کے گھر کے سامنے بنے پارک میں آتش بازی اور پٹاخوں کے ذریعے نئے سال کو خوش آمدید کہا جارہا تھا۔ دور آسمان پہ رنگ برنگی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ بارہ بج چکے تھے۔ نیا سال شروع ہو رہا تھا۔ اتزل نے بے جان ہوتی امید کو صوفے پر لٹادیا۔ وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ "آتش بازی دیکھنے چلوگی۔" اس نے پوچھا تو امید نے نفی میں سرہلایا۔

"مجھے بھی شوق نہیں ہے۔ میں صرف تمہارے لیے کہہ رہا تھا ورنہ معافی تلافی کا اس سے بہتر موقعہ نہیں ہے۔ ویسے نیا سال میرے لیے بڑا مبارک ہے۔" اتزل کی معنی خیز نگاہیں اس سے بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔

......*

ڈور بیل مسلسل بج رہی تھی۔ اتزل نے سوئی سوئی

عمران ڈائجسٹ کے وہ مقبول سلسلے
جن کا آپکو بےچینی سے انتظار تھا
ایک کتابی صورت میں شائع ہوگئے ہیں

مہارانی ایک چمارن کی کہانی جس نے تہلکہ مچا رکھا تھا، کوئی بھی اس کے داؤ سے بچ نہ سکتا تھا، ۳ حصوں پر مشتمل ہے،

نروان کی تلاش غضب ڈھا دینے والا ایک پُراسرار سلسلہ، کتابی شکل میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گیا، نیا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے، ۱۴ حصوں پر مشتمل،

سلالو ۲ حصوں پر مشتمل ایک زبردست کتاب، ضرور پڑھیئے،

پُراسرار علوم کا ماہر ایک پُراسرار شخص کی داستان اس کی اپنی زبان سے مکمل کتاب

چمپا کلی مہارانی کی طرح چمپا کلی نے بھی جانے کتنوں کو تباہ کردیا اور کیا کیا گل کھلائے، مکمل ایک کتاب،

مہاراجہ وہ شیر سے زیادہ خوفناک تھا، ایک عبرتناک داستان، ضرور پڑھیئے، ایک کتاب میں مکمل،

مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۷۔ اردو بازار کراچی

آنکھیں کھولیں اور بازو اونچا کر کے ٹائم دیکھنا چاہا مگر اس کے بازو پر تو امید سر رکھے سو رہی تھی۔ اس نے انتہائی نرمی سے اپنا بازو اس کے سر کے نیچے سے نکالا۔ وہ **کسمسا** کر دوبارہ اس کے سینے میں سر چھپانے لگی۔ اتزل کو رات کے بیتے واقعات یاد آنے لگے۔ وہ کتنی مشکل سے راضی ہوئی تھی۔ اس نے ڈھیروں معافیاں مانگی تھیں۔ وہ حسین لمحات ہمیشہ کے لیے اس کی یادوں میں محفوظ ہو گئے۔ امید کا چھپنا' شرمانا بھی کس قدر دل فریب تھا۔ اس کے لبوں پہ شریر سی مسکراہٹ آگئی۔ کریمن نے آنے والوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا۔ مبہم مبہم سی آوازیں آرہی تھیں۔ امید مزے سے سو رہی تھی شاید وہ ساری عمر کی نیند آج ہی پوری کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لبوں پہ کتنی پرسکون مسکراہٹ تھی۔ اتزل نے جھک کر اس مسکراہٹ میں اپنے رنگ بھرے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

فریش ہونے اور شاور لینے کے بعد جب وہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اپنے تمام گھر والوں کو دیکھ کر اسے قطعی حیرانی نہیں ہوئی۔ ہائیں مگر یہ کیا وہ سب تو مسکرا رہے تھے۔ "جوان ابھی تک ناراض ہو۔" فواد نے خود اسے گلے لگایا۔ وہ حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

"بیٹا میں خود امید کو کرنل خان کے گھر چھوڑ کر آیا تھا تاکہ تم اکیلے میں بہتر فیصلہ کر سکو اور یہی مناسب تھا۔ اس کی دوسری شادی کی تو صرف میں نے دھمکی دی تھی۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعی تمہارے دل میں اس کی جگہ ہے کہ نہیں۔" وہ بول رہے تھے۔ اتزل ہلکا پھلکا ہو گیا اور باپ سے معافی مانگی۔ ینگ پارٹی نے اسے نئے سال اور صلح کی مبارک باد دی۔ ماحول بدل چکا تھا۔ زیادتیوں کا ازالہ ہو رہا تھا۔ لڑکیاں امید کو دیکھنے اس کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ وہ اچانک سب کو سامنے پا کر پہلے حیران ہوئی اور پھر شرمائی۔ آج اس کے چہرے پہ حقیقی خوشی اور آسودگی کا خمار تھا۔

"دلہن صاحبہ ہیپی نیو ایئر۔۔۔ پھر کہیں اتزل بھائی نے گردن تو نہیں دبائی۔۔۔" اقراء رازداری سے بولی۔

"جی نہیں بلکہ انہوں نے تو۔۔۔" روانی سے کہتے کہتے وہ رک گئی۔ سب کی شریر نگاہیں اسی پہ مرکوز تھیں۔ وہ کمبل پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کریمن ناشتا تیار کر رہی تھی۔ وہ سب یوں ہی آئے تھے۔ کریمن پہلے ایک بار چائے بنا چکی تھی۔ اب دوبارہ بنا رہی تھی۔ امید واش روم میں گئی تو سب لڑکیاں دوبارہ ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ فواد امید کا پوچھ رہے تھے۔ اتزل اسے بلانے آیا تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

"میں سب کے سامنے نہیں جاؤں گی' مجھے شرم آرہی ہے۔" وہ برش رکھ کر مڑی۔ اتزل کی محبتوں کا خمار شرم بن کر اس کے چہرے پر جھک آیا تھا۔

"انہیں شاید اعتبار نہیں ہے۔ چل کر سب کو یقین دلا دو کہ میں کوئی ڈریکولا نہیں ہوں۔" وہ جان گئی کہ وہ اسے چھیڑ رہا ہے' اس نے اونہہ کیا تو اتزل نے شرارت کر ڈالی۔

"یہ نیا سال میرے لیے کتنا مبارک ہوا ہے' مجھے امید لوٹا دی۔" وہ چاہت سے بولا۔

چند سیکنڈ بعد وہ تایا کے بازو سے لگی کھڑی تھی۔ فواد جان گئے کہ اتزل نے جھوٹ نہیں بولا تھا کیونکہ امید کے چہرے پہ سچی خوشی چمک رہی تھی اگر وہ اسے کرنل خان کے گھر نہ بھیجتے تو اتزل کے اندر شاید اس کی دبی دبی محبت کبھی بیدار نہ ہوتی۔ جدائی کے ایک ہی جھونکے نے ساری بساط الٹ دی تھی۔ وہ آج حقیقی معنوں میں سرخرو ہوئے تھے۔ طیبہ اور مبشر سے کیا وعدہ پورا ہو چکا تھا۔ محبت نے اپنا راستہ خود تلاش کر لیا تھا۔ گلابی بہاروں کا موسم دروازے پہ دستک دے رہا تھا۔ اتزل اور امید کے چہروں سے لگ رہا تھا کہ انہوں نے یہ دستک سن لی ہے۔ نئے سال کی اولین صبح ان کے لیے کتنی خوشیاں لائی تھی۔ یہ کوئی فواد سے پوچھتا۔؟